ماہنامہ

حکمت بالغہ

ستمبر 2010

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:- 0092-47-77628261

ای میل: hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: http://hamditabligh.net

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات ۳

حرفِ آرزو ٦

قرآنی علم وفہم کا درجۂ حکمت ۱۱

صیہونیّت ۲۵

جنسی بے راہ روی ۴۸

”اَلۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ“
پر اہل علم کی آراء وتبصرے ۵۲

قدرت کی طرف سے فراہم کردہ ڈرون حملے بند کرانے کا
ایک قیمتی موقع جو ہم نے ضائع کر دیا......٥٦

٥٧A Recipe to Kill the Judiciary

تبصرۂ کتب ٦۲

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات

(8-12)

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اے ایمان والو!

تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا

وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور تم کو داخل کرے گا باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ

ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ

(بلکہ) ان کا نور (ایمان) ان کے آگے اور داہنی طرف

(روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہو گا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا

اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے پروردگار

ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر اور ہمیں معاف فرما

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو

وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ O

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا

اللہ نے کافروں کے لئے مثال بیان فرمائی ہے

امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ

نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کی

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں

ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے

وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ O

اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ

تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ

اور مومنوں کے لئے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

اس نے اللہ سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار

میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا

وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال (زشت مآل) سے نجات بخش

وَ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ O

اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو مخلصی عطا فرما

وَ مَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا

اور (دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریم کی، جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا

فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا

تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی

وَ صَدَّقَتۡ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ

اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں

وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ O

اور فرمانبرداروں میں سے تھیں

حالیہ قیامت نما سیلاب، ماہ رمضان المبارک

اور ــــــ توبہ

انجینئر مختار فاروقی

انسان خطا کار ہے مگر اچھا انسان وہ ہے جس سے خطا سرزد ہو جائے کہ تخلیق انسانی کا ایک وصف ہے تاہم غلطی کے احساس پر فوراً توبہ کر لے۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی توبہ جو غلطی کریں مگر جلدی توبہ کر لیں ــــــــــــ توبہ کی لازماً قبولیت کی نشانی قرار دیا گیا ہے مگر ایسی خوبصورت توبہ کرنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں، اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے اور آج بھی ہمارے معاشرے میں ہے کہ وہ غلطی پر غلطی کرتے چلے جاتے ہیں احساس گناہ بھی ہوتا ہے مگر توبہ نہیں کرتے یا توبہ کے تقاضے پورے نہیں۔ سچی توبہ تو یہ ہے کہ انسان گناہ والی زندگی چھوڑ دے گناہ سے علیحدگی اختیار کر لے۔ اس طرح کی سچی توبہ کے لئے فرمان رسالت ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له (ابن ماجة، عن ابی سعید)

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے وہ جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو''

انسانی غلطیوں میں بعض غلطیاں حقوق اللہ کے ضمن میں ہوتی ہیں جن کے ذیل میں توبہ کی تین شرائط ہیں جبکہ بعض غلطیاں حقوق العباد کے ذیل میں آتی ہیں جن کے معاملے میں توبہ کی چار شرائط ہیں۔

حقوق اللہ میں سچی توبہ کی تین شرائط گرائمر کے مطابق تین زمانوں سے متعلق ہیں یعنی ماضی، حال اور مستقبل۔ حقوق العباد میں سچی توبہ کی چار شرائط میں سے تین شرطیں اسی طرح تین

زمانوں سے ہی متعلق ہیں البتہ چوتھی اضافی شرط بندوں سے متعلق کسی زیادتی کا ازالہ یا کفارہ یا معافی ہے۔ کسی کو گالی دی تھی معافی مانگ لو، قرض دینا ہے کسی کا مال کھایا ہے واپس کر دو، ناجائز قبضہ ہے قبضہ چھوڑ دو۔ حقوق العباد میں متعلقہ فریق کی معافی یا رضامندی یا خاص حالات میں حق کی واپسی، مال/جائیداد کی واپسی اور ضائع شدہ کے ازالہ کی خالص دلی کوشش شامل ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ابتدائی تین شرطیں ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ یا اس کے بندوں سے متعلق جتنی کوتاہیاں یا زیادتیاں ماضی میں ہوئی ہوں اُن کے بارے میں ندامت، شرمندگی اور پشیمانی توبہ کی پہلی شرط ہے اور جس شخص کو اپنی غلطیوں پر پشیمانی یا شرمندگی نہیں وہ اللہ کے سامنے توبہ کا اظہار کیسے کرے گا یا اُسے توبہ کا خیال کیوں آئے گا۔ گویا باضمیر انسان کا ضمیر ہی اُسے ماضی کی غلطیوں پر ندامت، اعترافِ گناہ اور توبہ پر آمادہ کرتا ہے۔

2۔ دوسری شرط زمانہ حال سے متعلق ہے کہ مذکورہ گناہ کو ایک مرتبہ اپنی زندگی سے نکال دے یا خود اس گناہ سے علیحدہ ہو جائے مثلاً کوئی شخص شراب پیتا ہے یا جوا کھیلتا ہے تو اُس گناہ سے علیحدہ ہو جائے، شراب/جوئے کے متعلقہ سامان ضائع کر دے، دوستوں کو علی الاعلان بتا دے کہ اب ایسا دھندہ نہیں ہوگا، میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے، بقایا شراب بھی ضائع کر دے، پرمٹ وغیرہ بھی پھاڑ دے' تو یہ شرط پوری ہو جاتی ہے۔

3۔ مستقبل سے متعلق توبہ کی قبولیت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب سے صاف دل (CLEAR CONSCIENCE) سے وعدہ کرے کہ وہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا چاہے (عملاً وہ گناہ بعد میں ہو جائے) مگر اس صورت میں کہ دل میں گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ نہیں ہے یا دل میں یہ ہے کہ میں نے یہ گناہ چھوڑنا نہیں ہے وقتی طور پر ایسا اظہار کر رہا ہوں تو یہ ہوگی ہی نہیں؛ اس لئے کہ توبہ کی شرائط پوری ہی نہیں ہوئیں۔

جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان تین شرائط کے پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام کوتاہیاں معاف کر دی جاتی ہیں اور گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسے نماز حقوق اللہ میں سے ہے انسان نماز شروع کر دے خلوص سے پابندی کرے، اہتمام کرے، ترجمہ

یاد کرے، توجہ سے نماز پڑھے تو سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔کئی لوگ چونکہ توبہ کے بعد بھی وعدہ کی جلد پابندی نہیں کر پاتے اس لئے علماء کے نزدیک توبہ کی قبولیت یقینی نہیں ہوتی۔لہٰذا علماء ایسے لوگوں کو سابقہ نمازوں کی ادائیگی یا دیگر طریقے تلقین کرتے ہیں تاکہ تمام گناہ ختم ہو جائیں۔جبکہ حقوق العباد کے ضمن میں ان تین شرطوں کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے اور اگر حالات سازگار ہوں اور مال وتر کہ موجود ہو تو مالک کو واپس کر دیا جائے اس طرح سچی توبہ ہو جائے گی اور سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔رقم موجود ہے تو قرض ادا کر دیا جائے۔ناجائز قبضہ کا پلاٹ ابھی قبضہ میں ہے اور انسان سمجھے کہ تین شرائط پوری کرنے سے توبہ ہوگئی تو یہ غلط فہمی ہے۔

ہاں ــــــــــ ایسی حقیقی صورتوں میں کہ کوئی چوری کرتا تھا یا رشوت لیتا رہا اب وہ مال ختم ہو چکا ہے، ادائیگی کے لئے کوئی قابل ذکر فالتو جائیداد بھی نہیں تو اب اس صورت میں پہلی تین شرائط پر تو عمل کرے اور عزم مصمم کے ساتھ کہ اب زیادتی نہیں کروں گا اللہ سے مانگتا رہے گڑگڑاتا رہے۔اللہ تعالیٰ اس کے خلوص کے بنا پر حالات لازماً ٹھیک کر دیں گے اور لوگ بھی دیکھیں گے کہ اس نے سچی توبہ کر لی ہے از خود اپنا حق معاف کر دیں گے، آخری شکل میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ آخرت میں ضرور حق داروں کو اپنی طرف سے راضی کر کے اس کے گناہوں کی معافی کر کے جنت میں جگہ دیں گے۔اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی سے یہی توقع ہے۔

ایسی توبہ ــــــــــ ہر شخص جوان، بوڑھے، عورت، مرد کو کرنی چاہیے مگر ہم میں سے اکثر لوگ ایسا نہیں کرتے۔ ماہ رمضان المبارک سال بعد اسی لئے آتا ہے کہ اجتماعی ماحول میں شاید تمہارا دل پسیج جائے اور توبہ پر آمادہ ہو جائے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ انسان کو انفرادی سطح پر مصیبتوں اور امتحانوں میں ڈال دیتا ہے۔ کاروباری نقصان سے دوچار کر دیتا ہے کہ شاید اسے احساس ہو کہ کوئی ’’اللہ‘‘ ہے جو اس کے معاملات کو درہم برہم کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کی زندگی، موت، عزت، صحت، سب کچھ ہے، شاید اس طرح توبہ پر آمادہ ہو جائے۔

اگر ــــــــــ انسان اس طرح بھی توبہ پر آمادہ نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پوری پوری قوم کو اجتماعی آفات سماویہ یا آفات ارضی سے دوچار کر دیتا ہے۔زلزلہ، سیلاب، قحط، خشک سالی،

سب اسی کی مثالیں ہیں۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

(الم سجدہ۔21)

''اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذابِ دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں''

گویا جس بندے سے اللہ تعالیٰ کو اس کے دل کے خلوص یا سابقہ اچھی روش کی وجہ سے توبہ کی اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسا ماحول فراہم کر دیتے ہیں کہ وہ توبہ کر لیتا ہے اور گوہرِ مقصود ہاتھ آجاتا ہے کہ وہ دوزخ سے بچ جاتا ہے اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔اسی طرح جس قوم سے اللہ تعالیٰ کو خاص لگاؤ ہے اور اس سے توقعات ہیں ایسی قوم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ خاص حالات پیدا کرتا رہتا ہے اور گھیر کر اس کو ایسی جگہ لے آتا ہے کہ وہ قوم توبہ کر لے۔

ملک خداداد پاکستان میں گزشتہ کئی سالوں سے ''عذاب ادنیٰ'' کے اشارے رُونما ہو رہے ہیں۔2005ء کا زلزلہ، پانی کی قلت اور خشک سالی، وسائل رزق کی کمی اور ملکی سطح پر نا اتفاقی ہمیں جگانے کے لئے کافی ہیں کہ ہم جاگیں، اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں اور اپنے رب کے حضور توبہ کریں تا کہ وہ ہم سے راضی ہو اور ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔آمین

سیلاب اور ماہ رمضان المبارک

اس دفعہ اللہ تعالیٰ نے ماہ اگست میں رمضان المبارک کا مہینہ دیا ہے تا کہ انفرادی سطح پر توبہ کریں اور اپنے گناہوں سے پاک ہونے کی سعی کریں، خوف خدا پیدا کریں، توبہ کریں اور اپنے رب کی رحمتوں اور بخششوں کے مستحق بن جائیں اور اجتماعی سطح پر ''عذاب ادنیٰ'' عبرت کا کوڑا بھیجا ہے تا کہ اجتماعی سطح پر عوام اور حکمران دونوں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے رب ذوالجلال کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھک جائیں اور توبہ کر لیں۔شاید اس طرح ہمارے ملک سے روٹھی ہوئی بہاریں یعنی باہمی الفت و یگانگت، بھائی چارے کی فضا اور ملتِ واحدہ کے تصور جیسی بہاریں دوبارہ واپس لائی جاسکیں۔

سیلاب کی تباہ کاریوں پر ہر طرف مظلوم عوام در بدر، بھوک افلاس احتیاج کا دور دورہ،

وسائل کی کمی، فصلوں کی تباہی، اجناس کی تباہی سے سبزیوں اور اجناس کی قلت کا خوف اور مہنگائی کے اس ماحول میں اپنے اور اپنے ہموطن عزیزوں کے حالات دیکھ یا سن کر انسان کا دل نرم ہونا چاہیے پھر ماہ رمضان المبارک کہ اس میں بخشش توبہ کرنے والے پر متوجہ ہونے کے لئے بے تاب ہوتی ہے اجتماعی ماحول ہوتا ہے منبر ومحراب سے توبہ کی منادی اور جنت کی بشارتیں ہوتی ہیں، ضمیر انسانی بھی (مردہ نہ ہوگیا ہوتو) انسان کو اندر سے کچوکے لگاتا ہے کہ توبہ کرلو ـــــــــــــ ان حالات میں بھی ہم انسان اور مسلمانانِ پاکستان توبہ نہ کریں تو ـــــــــــــ ہم کیسے انسان ہیں؟ اور کیسے مسلمان ہیں۔

ے موسم اچھا ، پانی وافر ، مٹی بھی زرخیز

جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!

حالات اتنے سازگار ہوں اور پھر بھی ہم توبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آیئے ـــــــــــــ چھ کلمے جو کسی شخص کو مسلمان ہوتے وقت کہلوائے جاتے ہیں ان میں سے چھٹے کلمے پر توجہ کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ اَنۡ اُشۡرِکَ بِکَ شَیۡئًا وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِہٖ وَ اَسۡتَغۡفِرُکَ لِمَا لَا اَعۡلَمُ بِہٖ تُبۡتُ عَنۡہُ وَ تَبَرَّأۡتُ مِنَ الۡکُفۡرِ وَ الشِّرۡکِ وَ الۡکِذۡبِ وَ الۡغِیۡبَۃِ وَ الۡبِدۡعَۃِ وَ النَّمِیۡمَۃِ وَ الۡفَوَاحِشِ وَ الۡبُہۡتَانِ وَ الۡمَعَاصِیۡ کُلِّہَا وَ اَسۡلَمۡتُ وَ اَقُوۡلُ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں جانتے بوجھتے کسی چیز کو تیرا شریک بناؤں اور مغفرت چاہتا ہوں اس سے جس کا مجھے علم نہیں۔ میں نے توبہ کی اور کفر، شرک، جھوٹ، غیبت، بدعت، چغلی، بے حیائی کے کاموں، بہتان اور تمام گناہوں سے میں بیزار ہوا اور میں نے فرمانبرداری اختیار کی اور میں کہتا ہوں: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''

قرآنی علم وفہم کا درجۂ حکمت

مولانا محمد تقی امینی

(ماخوذ از حکمت قرآن لاہور شمارہ 3،4)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انڈیا کے ناظم سنی و دینیات، مولانا محمد تقی امینی صاحب نے یہ قابل قدر علمی مقالہ انجمن کے تحت منعقد ہونے والے 'محاضرات قرآنی' (منعقدہ 19 تا 23 مارچ 82ء) کے لئے ارسال کیا تھا موضوع کی مناسبت سے اس مقالے کو حکمت قرآن کے اس پہلے باقاعدہ شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

قرآن حکیم اللہ رب العزت کی کتاب ہے، اس کی عظمت و بڑائی اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ کرنے کے لئے اس کی یہ نسبت ہی کافی ہے۔ 'حکمت' قرآنی علم وفہم کا نہایت اونچا درجہ ہے جس پر اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو سرفراز فرمایا اور اس کی تعلیم کو نبوت کا فرض منصبی قرار دیا۔ پھر جس کو جس درجہ اور جس گوشہ میں رسول اللہ سے زیادہ مناسبت ہوئی اس کے لحاظ سے وہ حکمت کی تعلیم سے بہرہ ور ہوا۔ چنانچہ جن آیتوں میں آپ کے فرائض کا تذکرہ ہے ان میں صلاحیتوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے قرآنی علم وفہم کے درجوں کی طرف بھی اشارہ ہے اور حکمت کو آخری درجہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً دعاے ابراہیمی میں ہے:

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (البقرۃ۔ 129)

''اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجئے جو انہیں آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی تربیت (تزکیہ)

کرے۔ بے شک آپ غالب اور حکمت والے ہیں۔"

انسان پر احسانِ عظیم کے ذکر میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران۔164)

"بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک وصاف (تربیت و تزکیہ) کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

اللہ تعالیٰ کی صفات بروئے کار لانے کے ذکر میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعة۔2)

"اللہ ہی نے اُمیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف (تزکیہ و تربیت) کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

اوپر اللہ کی چار صفتیں ذکر کی گئی ہیں

(1) الملك۔ وہ حقیقی فرمانروا ہے اس لئے وہ ہدایات و فرامین بھیجتا ہے۔

(2) القدوس۔ وہ پاک وصاف ہے۔ اس لئے پاکی وصفائی (تزکیہ) کا حکم دیتا ہے۔

(3) العزیز۔ وہ غلبہ والا ہے۔ اس لئے قانون و شریعت کی تعلیم دیتا ہے۔

(4) الحکیم۔ وہ حکمت والا ہے۔ اس لئے وہ حکمت کی تعلیم دیتا ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ سے قانون و شریعت کا ربط قائم رہے۔

مذکورہ فرائضِ منصبی کی آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذہنی و فکری استعداد

کے لحاظ سے قرآنی علم وفہم کے تین درجے ہیں:

(1) تلاوت آیات (ترجمہ وسرسری مطلب جان لینا) کا درجہ، جو اہل عرب کو حاصل تھا اور غیر اہل عرب کو بار بار ترجمہ وتفسیر دیکھتے وپڑھتے رہنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

(2) تعلیم کتاب (مفہوم متعین کر کے اس کو برمحل منطبق کر لینا) کا درجہ، جو سورت کے موضوع اور حالات وقرائن میں نظر ڈالتے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔اس میں عربی زبان دانی کے ساتھ غور وفکر کی بڑی اہمیت ہے اور سوچنے والے دماغ ہی کو یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔

(3) تعلیم حکمت (گہرائی وتہہ تک پہنچنے اور اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرنا) کا درجہ، جو انسان وسماج کے حالات اور قرآنی آیات میں مسلسل غور وفکر کرتے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں خاص قسم کی ذہنی رسائی وفکری بلندی درکار ہے، جو تخلیقی ذہن وفکر کے بغیر بہت کم پائی جاتی ہے۔

پہلے درجے کا زیادہ ظہور ہدایات وفرامین اور قصص وامثال میں ہوتا ہے۔ دوسرے کا شریعت وقانون اور تیسرے کا اخذ واستنباط میں ہوتا ہے۔

ذیل میں اس درجہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

حکمت کی تکوین: قرآنی علم وفہم کا ہر درجہ اگرچہ شعورِ عقل وشعورِ قلب کے مجموعہ سے وجود میں آتا ہے۔لیکن حکمت کی تکوین جس قوت سے ہوتی ہے اس میں خاص طور سے دونوں کا اعلیٰ درجہ ملحوظ ہوتا ہے جو فطری ذوق وخلقی وجدان کے بغیر خاطر خواہ نتیجہ نہیں برآمد کرتا۔ عقل کی طرح قلب بھی شعور رکھتا ہے۔ اگرچہ دونوں کی نوعیت وکیفیت میں فرق ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی بہت سی آیتوں میں شعورِ قلب کو بھی سمجھ بوجھ کا ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا (الاعراف۔179)

’’ان کے پاس دل ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں‘‘

اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا (محمد۔24)

’’کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں‘‘

نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ (منافقون۔3)

''ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے وہ سمجھتے نہیں ہیں''

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ (البقرۃ۔7)

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''

ان آیتوں میں اُس شعور سے انکار کیا گیا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے۔ شعورِ عقل سے انکار نہیں کیا گیا۔ حکمت کی تکوین میں اعلیٰ درجہ کے مجموعہ کی جھلک اس کی تعریف، تعبیر، تشریح اور شرائط و آداب ہر ایک میں دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً

حکمت کی تعریف (تعریف یہ ہے)

ھی اسم القوۃ الجامعة لرزانة العقل والرای و شرافة الخلق الناشئة منھا (المعلّم عبدالحمید فراہی، مفردات القرآن)

''حکمت ایسی قوت کا نام ہے جو عقل و رائے کی پختگی اور اس سے نشو ونما پانے والی اخلاقی شرافت کو جامع ہے۔''

اس تعریف کی تائید قرآن حکیم کی اُن متعدد آیتوں سے ہوتی ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کو حکمت دیے جانے کا ذکر ہے۔ لیکن حضرت داوٗد علیہ السلام کے واقعہ میں حکمت کا ایک اہم اثر و نتیجہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ

وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ

''ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو حکمت اور فیصلہ کن بات دی۔''

فصل الخطاب سے مراد

و ھو القول الحق الواضح عند العقل (المعلّم عبدالحمید فراہی، مفردات القرآن)

''وہ حق بات جو عقل و قلب دونوں کے نزدیک واضح ہو۔''

جس طرح قولِ فصیل حکمت کے آثار میں ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور حسنِ ادب بھی اس کے آثار میں سے ہے۔

حکمت کی تعبیر

حکمت کی تعبیر شرح صدر، القاءِ ربانی، علم لدنی اور نور وغیرہ الفاظ سے کی جاتی ہے۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ نے شرح صدر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

هو نور يقذفه الله فی القلب (غزالی:المنقذ من الضلال)

''وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ سینہ میں ڈالتا ہے۔''

امام مالکؒ کے اس قول سے مزید وضاحت ہوتی ہے:

الحكمة و العلم نور يهدى به الله من يشاء و ليس بكثرة المسائل

''حکمت اور علم نور ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ زیادہ مسائل جاننے کا نام نہیں ہے'' (ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ قولہ لاحسد فی الاثنین)

امام غزالیؒ نے اس نور کو مفتاح سے تعبیر کیا ہے:

و ذالك النور و هو مفتاح اكثر المعارف (غزالی:المنقذ من الضلال)

''یہ نور اکثر معارف کی کنجی ہے۔''

حکمت کی تشریح

حکمت کی تشریح...... دینی معرفت، دینی عقل، گہری سمجھ (فقہ)، فطری ملکہ، علم اسرار دین، علم وعمل، قول صواب وفعل صحیح وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ جو بجائے خود اس کی ماہیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ اس کی تکوین میں شعورِ عقل وقلب کے اعلیٰ مجموعہ کے ساتھ فطری ذوق وخلقی وجدان کو بھی دخل ہے جو عطیہ ربانی وفضل ایزدی ہے جیسا کہ اس کی تائید ان تشریحات سے ہوتی ہے۔

ائمہ لغت نے اس کی تشریح یوں کی ہے

الحكمة اصابة الحق بالعلم و العقل (راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن)

''علم وعقل کے ذریعے حق تک پہنچنے کا نام حکمت ہے۔''

الحكمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء بافضل العلوم (محمد بن مکرم انصاری، لسان العرب)

''افضل اور بہتر چیز کو بہترین علم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے۔''

مفسرین سے یہ تشریح منقول ہے:

وضع کل شیء موضعه

''ہر شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنا''

معرفة الاشیاء بحقائقھا

''حقائق اشیاء کی معرفت''

الفصل بین الحق والباطل

''حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت''

الاصابة فی القول والعمل

''قول و عمل میں صحیح رائے تک پہنچنا''

ما یکمل نفوسھم من المعارف و الاحکام

''وہ معارف و احکام جن سے نفوس انسانی کمال کو پہنچیں''

(علاء الدین علی: تفسیر خازن۔ وقاضی ثناء اللہ: تفسیر مظہری)

ان کے علاوہ بھی بہت سی تشریحات مفسرین سے منقول ہیں۔ مثلاً

انوار قلوب کی معرفت اور اسرار عیوب سے واقفیت۔ نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی۔ شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت۔ عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت۔ برائیوں کی صحیح نشاندہی کے بعد علاج کی صحیح تدبیریں۔ مخلوق کے احوال کا علم۔ خاص کی فراست۔ (عرائس فی حقائق القرآن ص ۶۰)

مجاہد تابعیؒ اور امام مالک سے یہ تشریح منقول ہے۔

انھا معرفة الحق و العمل به والاصابة فی القول والعمل (ابن قیم: مدارج السالکین و تفسیر قیم)

''حق کی معرفت، اس پر عمل اور قول و عمل میں درستی کو پہنچنے کا نام حکمت ہے۔''

ابن قیمؒ نے اس کو احسن کہا ہے:

و احسن ما قیل فی الحکمة (ایضاً)

''حکمت کے باب میں جو کچھ کہا گیا اس میں یہ احسن ہے۔''

ابن مسکویہؒ نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں:

''ذکاوت وذہانت، سرعت فہم، ذہن کی صفائی، عقل کی رسائی اور سہولت تعلّم''

پھراس کے بعد کہا ہے

و بهذه الاشياء يكون حسن الاستعداد للحكمة

''ان ہی چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ سے یہ تشریح منقول ہے:

هوعلم اسرار الدين الباحث عن حكم الاحكام ولمياتها و اسرار خواص الاعمال و نكاتها (شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ)

''وہ اسرار دین کا علم ہے جو احکام کی لم اور علت سے بحث کرتا ہے اور اعمال کے خواص و باریکیوں پہنچا تا ہے''

پھراس پر قابو پانے کے لئے ذہنی رسائی وفکری بلندی کا ذکراس طرح کیا ہے

وقّاد الطبيعة سيال القريحه

''روشن دماغ اور رسا ذہن ہو''

وقار اور سیال دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جن کی افادیت تخلیقی صلاحیت تک پہنچتی ہے۔ مذکورہ تعبیر وتشریح کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً یہ سب ایک ہی حقیقت کو واضح کرنے والے اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ فرق صرف الفاظ کے انتخاب میں ہے۔ کسی نے شعورِ قلب کی مناسبت کو ملحوظ رکھا کسی نے شعورِ عقل کی مناسبت کو اور کسی نے عقل وقلب دونوں کے شعور کا لحاظ کیا۔

حکمت کے شرائط:

قرآنی حکمت کے شرائط میں تزکیۂ نفس اور فکر آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تزکیہ میں عقائد وخیالات کی صفائی اور اعمال واخلاق کی درستی دونوں شامل ہیں۔ یعنی غلط نظریات وعقائد سے شیشۂ دل و آئینۂ دماغ کی صفائی کر کے صحیح اصول ونظریات ان کی جگہ بٹھائے جائیں اسی طرح برے اخلاق وگندے اعمال سے ہٹا کر اچھے اعمال وعمدہ اخلاق کا خوگر بنایا جائے۔ اس طرح تزکیہ کے ذریعے لازمی طور سے عقل وقلب کی فطری صلاحیتوں کو نشو ونما پانے کا موقع ملے گا

جس کی بنیاد پر لغت کے ماہرین نے اس کے معنی ہی 'ابھارنا' اور 'نشوونما دینا' کیے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ فرائض منصبی کی آیتوں میں لفظ 'وَ یُـزَکِّیْهِـمْ' (اللہ کا رسولؐ ان کا تزکیہ کرتا ہے) بھی ہے۔ جس کا مادہ زکاءً ہے

الزکاء النماء و السریع (محمد بن مکرم انصاری: لسان العرب)

زکاء کے معنی بڑھنا اور تروتازہ ہونا

اصل الزکاء النمو الحاصل من برکۃ اللہ (راغب اصفہانی: المفردات فی غریب القرآن)

زکاء کی اصل وہ بڑھوتری ہے جو اللہ کی برکت سے حاصل ہو

یہ لفظ سورۂ آل عمران آیت 164 اور سورۂ جمعہ آیت 6 میں علم وفہم کے پہلے درجہ (تلاوت آیات) کے بعد ہے جس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ تزکیہ قرآنی علم وفہم کے ہر درجہ میں مطلوب ہے لیکن سورۂ بقرہ آیت 129 (دعا ابراہیمی) میں علم وفہم کے آخری درجہ (حکمت) کے بعد ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دعا درخواست کے موقع پر کام کی ترتیب نہیں ملحوظ ہوتی صرف تفصیل ملحوظ ہوتی ہے۔ جبکہ قبولیت واجابت کا موقع اس کا پابند ہوتا ہے کہ مسائل کی مصلحت کے پیش نظر کام کی ترتیب ملحوظ رکھے۔

حکمت چونکہ علم وفہم کا نہایت اونچا درجہ ہے اس بنا پر لازمی طور سے اس کے لئے خاص تزکیہ مطلوب ہے جو ذہنی وفکری آبگینہ میں وہ چمک پیدا کر دے جو قرآنی حکمت کے لئے درکار ہے۔ یہ خاص تزکیہ عام حالات میں نہیں تکمیل کو پہنچتا بلکہ اس کے لئے کچھ خاص حالات (جو افراد واشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں) ہوتے ہیں جن کے ذریعے یہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ثبوت میں حضرات انبیاء علیہم السلام و دیگر صاحب حکمت کی زندگیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔

فکر آخرت کے ذریعے قوت حکمت کا رشتہ سرچشمہ حکمت (اللہ رب العزت) سے قائم ہوتا اور نورانی دنیا سے ربط وتعلق پیدا ہوتا ہے پھر ادھر سے علم وعرفان اور فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما زھد عبد فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبہ (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

''جس بندے نے دنیا میں زہد اختیار کیا (بے رغبت رہا) تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگائے گا''

دوسری جگہ ہے

اذا رأیتم العبد یعطی زھدا فی الدنیا و قلة منطق فاقتربوا منه فانه یلقی الحکمة (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

''جب کسی بندہ کو دیکھو کہ اس کو دنیا میں زہد (بے رغبتی) عطا کیا گیا اور بولتا کم ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو کہ اس میں حکمت کا القاء ہوتا ہے۔''

ایک اور موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے سینہ میں نور داخل ہونے کی یہ علامت بیان فرمائی:

التجافی عن دارالغرور و الانابة الی دارالخلود و الاستعداد للموت قبل نزوله (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

''دارالغرور (دنیا) سے الگ رہنا (دل نہ لگانا) دارالخلود (آخرت) کی طرف متوجہ رہنا اور موت سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔''

حکمت کے آداب

قرآنی حکمت کے آداب میں اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت وشفقت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں صبر وضبط، سخاوت وقناعت، نرم دلی و دلسوزی اور ایثار وقربانی وغیرہ اوصاف شامل ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے

يُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا

''اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہوئی وہ خیر کثیر سے نوازہ گیا''

یہ آیت بندوں پر خرچ کرنے اور اس راہ کی شیطانی وساوس سے بچنے کی تاکید کے بعد ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اثر ونتیجہ عطیہ حکمت کی شکل میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔

اسی طرح حکمت کے آداب میں ان اوصاف ذمیمہ سے بچنا ہے جو قساوت قلبی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً کبر ونفاق، بغض وحسد، غیبت و برائی، حرص وطمع وغیرہ جیسا کہ قرآنی حکمت کا مفہوم اردو کے مفہوم سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ کیونکہ اس کے لئے شعور کی مروجہ انسانی تصور سے

کچھ اونچی سطح درکار ہے جبکہ اردو میں شعور وعقل کا اونچا درجہ کفایت کرتا ہے۔ پھر اردو میں وہ فراست ملحوظ نہیں ہوتی جو شعور کے تزکیہ کی راہ سے آتی ہے اور آداب کی بجا آوری سے اس کی قوت پرواز میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ اس میں ان دونوں کو خصوصی مقام حاصل ہے۔

حکمت کے میدان کا دائرہ کار

قرآنی حکمت کی تکوین میں اگرچہ شعور عقل وقلب کا اعلیٰ مجموعہ ہوتا ہے لیکن دیگر نفسی قوتوں اور باہمی مناسبتوں کو سامنے رکھ کر قدرت جس (عقل یا قلب کے شعور) کو زیادہ ابھارتی اور جس سے متعلق کام کے زیادہ مواقع فراہم کرتی ہے بس اس کے لحاظ سے حکمت کے میدان کا دائرہ کار متعین ہوتا ہے اور کام کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین اور راسخین (علم میں) دونوں میں حکمت کی قوت موجود ہوتی ہے لیکن عارفین کا میدان شعور قلب سے زیادہ تعلق رکھتا ہے جبکہ راسخین کا میدان شعور عقل سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

چنانچہ راسخین کی حکمت علم کے میدان میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے جبکہ عارفین کی حکمت تزکیہ کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایک کی بات اپنے میدان ودائرہ ہی میں زیادہ وزن دار بنتی ہے۔

حکمت کے سب سے اونچے اور جامع درجہ پر رسول اللہ ﷺ فائز تھے

رسول اللہ ﷺ قرآنی حکمت کے سب سے اونچے درجہ پر فائز اور ہر میدان ودائرہ کے جامع تھے اور بڑی بات یہ کہ سب میں توازن برقرار رکھے ہوئے تھے جس کی بنا پر ہر میدان ودائرہ کی بات وزن دار اور افراط وتفریط سے پاک تھی۔

قرآن حکیم میں اس کی تعبیر اس طرح ہے

اِنَّـا اَنۡـزَلۡـنَـا اِلَيۡكَ الۡـكِتٰبَ بِـالۡـحَـقِّ لِتَـحۡـكُـمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰٮكَ اللّٰهُ (النساء۔105)

''اے نبی! ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا''

مَا اَرَاكَ اللّٰہ (جو اللہ نے آپ کو دکھایا) اصلاً شعور نبوت ہے جس کے تکوینی اجزا میں کمال حکمت کی قوت شامل ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے کئی مقام پر یہی تعبیر اختیار فرمائی ہے انـی اری مـالا تـرون (ترمذی وابن ماجہ، ابواب الزھد)۔ رسول اللہ ﷺ کی اس قوت کی حفاظت و نگرانی ہوتی تھی

وَ اصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا

''آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے؛ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔''

وَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل۔74)

''اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔''

اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا یـقولن قضیت بما ارٰنی اللّٰہ تعالٰی فان اللہ تعالٰی لم یجعل ذالك الّا لنبیه و اما احدنا فرأیه یکون ظنًا لا علمًا

''کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا جو اللہ نے مجھے دکھایا۔ کیونکہ یہ مقام صرف نبیؐ کے لئے خاص ہے۔ ہم لوگوں کی رائے ظن کے درجہ میں ہوتی ہے نہ کہ علم کے درجہ میں۔''

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ آیت میں علم کو رؤیت سے تعبیر کی یہ وجہ بیان کی ہے:

لان العلم الیقینی المبرا عن جهات الریب یکون جاریاً مجری الرؤیة فی القوة و الظهور

''وہ علم یقینی جو شک کو دور کرنے والا ہے قوت اور ظہور میں رویت (دیکھنے) کے قائم مقام ہوتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی قوت حکمت چونکہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے؛ اس بنا پر قرآنی حکمت میں اس کو معیار اور سند کا درجہ حاصل ہے۔ کسی اور کی قوت کا یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ غالبًا اسی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے مذکورہ فرائض منصبی کی آیات (وَ یُـعَـلِّـمُهُـمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ) میں حکمت کی تفسیر سنت نبویؐ سے کی ہے۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

و اماالحکمة المقرونة بالکتاب فھی السنة کذالك قال الشافعیؒ وغیرہ من الائمة

''جو حکمت کتاب کے ساتھ مذکورہ ہے اس سے مراد سنت ہے۔امام شافعیؒ اور دوسرے اماموں نے یہی کہا ہے۔''

جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی حکمت کا اولین مظہر بطور نمونہ سنت نبویؐ ہے کہ اس کو معیار بنا کر قوت حکمت کے ذریعہ اخذ واستنباط کا سلسلہ جاری رہے اور اس کے ذریعہ نمو پذیر زندگی و ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی ہوتی رہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قرآنی حکمت تمام تر سنت نبویؐ ہے کہ اس کے بعد غور وفکر اور اخذ واستنباط کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ یہ قرآن حکیم کی آیت کے خلاف ہے۔

وَ اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡكَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ وَ لَعَلَّھُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ

''ہم نے آپؐ پر الذکر (قرآن) اتارا کہ جو لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے آپؐ ان کے سامنے بیان کر دیں تاکہ وہ خود غور وفکر کریں۔''

''ولعلھم یتفکرون'' کے ذریعہ ایسے تمام لوگوں کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے اور اخذ واستنباط کر سکتے ہیں۔

پھر محققین کے نزدیک اخذ واستنباط کے لحاظ سے کسی بھی موضوع سے متعلق قرآنی آیتوں کی مقدار حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے جو ذہنوں اور طبیعتوں نیز حالتوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے مقدار میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ابن دقیق العید کہتے ہیں:

مقدار آیات الاحکام لاتنحصر فی ھذا العدد بل ھو یختلف باختلاف القرائح والاذھان و ما یفتحه الله من وجوہ الاستنباط و الراسخ فی علوم الشریعة یعرف ان من اصولھا و احکامھا ما یؤخذ من موارد متعددة حتی الاٰیات الواردة فی القصص و الامثال (علال فاسی مقاصد الشریعة الاسلامیه القرآن)

''آیات احکام کی مقدار اس عدد (دوسو، پانچ سو یا کچھ زیادہ) میں محدود نہیں ہے بلکہ طبیعتوں اور ذہنوں کے اختلاف سے مقدار مختلف ہوتی ہے۔جن حضرات پر اللہ نے

وجوہ استنباط کے دروازے کھولے اور جن کو علوم شرعیہ میں رسوخ حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے اصول واحکام متعدد جگہوں سے حاصل ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان آیتوں سے بھی جو قصص وامثال میں وارد ہوئی ہیں۔''

حکمت کے درجات

حکمت کے بہت سے درجے اور مرتبے ہیں جو جس درجہ اور جس گوشہ میں اس کی قوت رکھتا ہے اسی کی مناسبت سے وہ درجہ حکمت پر فائز ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

يُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا

''اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہوئی وہ 'خیر کثیر' سے نوازہ گیا۔''

اور حدیث لکل حدٍ مطلع (ہر حد کے لئے واقفیت کے مقام ہیں) میں غالبًا درجات کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ ''مطلع'' اس روشندان کو کہتے ہیں جو بلندی پر ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ چیزوں سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح حکمت کے لئے ذریعہ بلندی پر پہنچ کر اور متعلقہ چیزوں سے واقفیت حاصل کر کے گہرائی تک رسائی حاصل کی جاتی اور پھر سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مبصرانہ حیثیت سے گفتگو ہوتی ہے۔

حکمت کی تکوین چونکہ شعور عقل اور شعور قلب کے مجموعہ سے ہوتی ہے اور دونوں طبعی خصوصیات وبشری کمزوریوں سے خالص و بے آمیز نہیں ہوتے ہیں۔اس بنا پر قوت حکمت کو اپنی رہنمائی کے لئے ایک بلند و برتر شعور کی ضرورت ہے کہ جس کے ذریعے اپنے فیصلہ ونتائج میں نکھار وجلاء پیدا کر سکے اور جس کا دامن عصمت اس کے لئے ذریعہ نجات بن سکے۔یہ رہنما شعور نبوت ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس سے زیادہ کسی اور کے خالص و بے آمیز ہونے کی ضمانت نہیں ملتی۔اس شعور سے رہنمائی حاصل کرنے کا براہ راست سلسلہ ختم نبوت کے ساتھ اگرچہ ختم ہو گیا۔لیکن اس سے حاصل شدہ علم وحکمت کی دونوں قسمیں موجود ومحفوظ ہیں۔

(1) وہ علم وحکمت جو برتر شعور یا نور سے تعلق جوڑ کر حاصل کیا گیا جس کا تعلق خارجی و ماورائی حقیقت سے ہے۔اس کا اصطلاحی نام 'قرآن' ہے۔و القرآن یفسر بعضه بعضًا

(قرآن کا ایک حصہ خود دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے)

(2) وہ علم وحکمت جو نبوت کے خلقی وجدان وداخلی شعور کا نتیجہ اور قرآن کی معنوی دلالت سے حاصل کیا ہوا ہے اس کا اصطلاحی نام ’حدیث وسنت‘ ہے۔

شعور نبوت کو رہنما بنانے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ حکمت میں خفا ہوتا ہے اس کا انضباط مشکل ہوتا ہے اور اس کے لئے قلب و دماغ کے آبگینہ کی خاص چمک درکار ہوتی ہے جو سخت مرحلات وریاضات کے بعد ہی نمودار ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں توازن برقرار رکھنے کے لئے کسی برتر شعور کی رہنمائی قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اس رہنمائی کی ضرورت راسخین (علم میں) اور عارفین سبھی کو ہے جس کے ذریعہ ہر ایک کی حکمت اپنی چاک دامنی کے لئے رفو گری کا سامان مہیا کر کے فائز المرام ہوگی اور جس کسی کی حکمت سے اس پر زد پڑتی ہوگی۔ وہ قرآنی حکمت کہلانے کی مستحق نہ قرار پائے گی۔ خواہ وہ بڑے بڑے راسخ فی العلم اور عارف باللہ کی حکمت ہی کیوں نہ ہو۔

صیہونیّت

ZOINISM

باب اوّل

صیہونیت کیا ہے؟

صیہونیت کے مزاج، نفسیات اور ابلیسی منصوبوں کا واشگاف الفاظ میں پردہ چاک کرنے والی دنیا کی واحد مستند کتاب ـــــــــــ (آسمانی کتاب) قرآن مجید ہے جو حضرت محمد ﷺ کو عطا ہوا اور اس گروہ کے ایڑی چوٹی کے زور لگانے کے باوجود آج تک دنیا میں اپنی اصل شکل میں متن کے ساتھ موجود ہے۔

قارئین حکمت بالغہ کے لئے ہم نے اس ابلیسی گروہ سے تعارف کے لئے چند قسطوں میں ایک سلسلۂ مضامین کا وعدہ کیا تھا اس کا پہلا باب صیہونیت کیا ہے؟ کو بھی طوالت کے باعث دوحصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ پہلا حصہ اگست 10ء کی اشاعت میں طبع ہو چکا ہے جبکہ دوسرا حصہ اس اشاعت میں شامل ہے۔ امید ہے کہ قارئین حکمت بالغہ اس کو مفید پائیں گے۔

(ادارہ)

صیہونیت کے خدوخال
قرآن مجید کے آئینے میں
(حصہ دوم)

انجینئر مختار فاروقی

قرآن مجید میں صیہونیت کے کردار اور خدوخال پر بڑی تفصیلی گفتگو موجود ہے۔ پہلے پارے میں ہی مسلسل دس رکوعوں میں اسی خاص انسانی گروہ کے طرزِ عمل اور منفی رویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن مجید حکمت بھری کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ (جو خود "الحکیم" ہے) کا کلام ہے لہٰذا قرآن پاک کا بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے خدوخال کا یہ تفصیلی بیان خالی از حکمت نہیں ہوسکتا بلکہ ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم دوسری طرف یہ بھی سامنے کی حقیقت ہے کہ ہم تاریخ انسانی اور تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام اور اس "مغضوب علیھم" گروہ کے کردار، فکر و فلسفہ (ذہنی میلانات نیز انفرادی و اجتماعی نفسیات)، تہذیب و تمدن، اجتماعی عزائم اور انسانیت کُش مقاصد پر غور نہیں کرتے۔ غیر مسلم تو کیا غور و فکر کریں گے ہم مسلمانوں نے قرآن مجید سے روشنی پا کر دوسری اقوام کے دل و دماغ کو منوّر کرنا تھا ہم مسلمان خود بھی اس پر کماحقہٗ توجہ نہیں دیتے۔ آج امت کا اجتماعی مزاج یہ ہے کہ جو غور و فکر کرنا تھا ـــــــــــ بس ہمارے اسلاف نے اس کا حق ادا کر دیا ہے ہمارا کام صرف اس کی تلاش اور تعلیم ہے حالانکہ قرآن مجید ـــــــــــ کلام اللہ ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ کی لاتعداد شانیں ہیں ـــــــــــ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کے مصداق اس کلام اللہ کی بھی ان گنت شانیں ہیں اور افہام و تفہیم کی اطراف (DIMENSIONS) کی کثرت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ترمذی میں فضل القرآن کے

باب میں جو حدیث پاک آئی ہے اس میں الفاظ ہیں:

وَ لَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَ لَا تَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ

''اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق ولطیف، حقائق ومعارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔''

تاریخ انسانی کے بہاؤ میں تہذیبوں اور تمدنوں کے احوال آگے بڑھتے ہیں اور فکر و فلسفہ کے نئے نئے رُخ سامنے آتے ہیں اور یوں معاشرے ترقی پذیر رہتے ہیں......اسی طرح قرآن حکیم پر بھی ہر نسل اور ہر تہذیب پر حکومت اور ہر زمانے میں مسلسل غور وفکر جاری رہنا ضروری ہے۔ تاکہ اہل علم تدبر قرآن کے اس عمل کے ذریعے قرآن کے علم وحکمت کے سمندر سے اپنے دور کی ضرورت کے مطابق اور ظروف واحوال کے متناسب ہدایت کے موتی نکال کر پیش کرتے رہیں تاکہ ابلاغ مبین اور اتمام حجت کا حق ادا ہوتا رہے۔ اسی قبیل کی شئے جو قرآن حکیم کے مابین السطور اخذ کر کے اُمت کے رہنماؤں اور اجتماعی معاملات کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کرتے رہنے کی ہے وہ 'صیہونیت کی پہچان' ہے تاکہ ہم کسی لمحے بھی اس گروہ کی شناخت سے بے بہرہ نہ رہیں بلکہ کیفیت حافظ کے شعر کی روشنی میں یہ ہو کہ صیہونیت کسی حال میں سامنے آئے اُسے نگاہ مردمؤمن اور فراست مردمؤمن

ے بہر رنگے کہ خواہی جام می پوش
من انداز قدرت را می شناسم

کے مصداق پہچان کر اپنا بچاؤ کر سکے۔ قرآن مجید میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ بقول اقبال

ے مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست او
زندہ و پائندہ و گویا ست او
صد جہانِ تازہ در آیاتِ او ست
عصرہا پیچیدہ در آیاتِ او ست

ے چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانِ دیگرش

تدبر قرآن کا یہ کام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور حاملین دین متین اور حاملین علوم قرآن کی مشترکہ متاع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص۔29)

''یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بابرکت ہے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں''

کلام اللہ میں صیہونیت کا جو تذکرہ ہے اب ہم ذیل کی سطور میں اس کا مختصر خاکہ پیش کررہے ہیں۔ ہم نے قرآن مجید سے اشارات لئے ہیں، اس کے ساتھ کوشش کر کے اس آیت کا حوالہ دیا ہے اور صرف اپنی طرف سے اتنی کوشش کی ہے کہ معلوم تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اُن کو درج کردیا ہے۔

بنی اسرائیل کے گروہ کے دو حصے ہیں قرآن مجید دونوں کا ذکر کرتا ہے تاہم بڑا حصہ اور یہود من حیث القوم چونکہ بے راہ روی کا شکار ہو گئے تھے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے خطبوں میں پوری قوم کو مخاطب کرتے ہیں اور قرآن مجید بھی اکثر مقامات پر اسی غالب گمراہ گروہ کا تذکرہ کرتا ہے تاہم قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ عدل وقسط کو بہت زیادہ پسند فرماتے ہیں لہٰذا ـــــــ خالق کائنات قرآن مجید میں کئی مقامات پر بنی اسرائیل کے اقل قلیل حصے کا ذکر بھی نہایت شان اور عزت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

ذیل کے سطور میں اسی غالب گمراہ گروہ کے خدوخال کا عمومی تذکرہ ہے جہاں اہل حق کا تذکرہ ہے وہاں کوشش کر کے ان کو نمایاں کیا گیا ہے۔

صیہونیت کے کردار کے نمایاں پہلو

01۔ دنیا میں بعثت محمدی ﷺ کے وقت واضح طور پر ایک گروہ ایسا تھا جس پر رب کائنات کا (بار بار) غضب ہو چکا تھا اور اس کے زیر اثر لوگ بھی تھے جو (یقیناً) گمراہ تھے۔(7,6-01)

02۔ ایک ایسا گروہ جو ایمانیات کے چند جزوی حقائق کو مان کر بھی (اور باقی حصوں کو بالارادہ اخفاء اور انکار کر کے) اپنے اہل ایمان ہونے پر مصر ہوتا ہے (02-8)

03۔ ایسا گروہ جو بظاہر (اللہ اور رسول ﷺ پر) ایمان کا دعویدار رہتا ہے مگر جب اپنے ہم مقصد لوگوں میں جمع ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو اہل ایمان (مسلمانوں) کو چکر دے رہے تھے۔(02۔14)

04۔ ایسا گروہ سابقہ کئی پیغمبروں علیہم السلام کا نام لیوا ہے ان (انبیاء کرام علیہم السلام) کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ کو پہچانتا ہے مگر اپنے پیغمبروں (علیہم السلام) کے احکام کے مطابق ان پر ایمان اور وفاداری کا اظہار نہیں کرتا یعنی آسمانی ہدایت کے تسلسل و تکمیل (ختم نبوت) کا انکار کرتا ہے یہی 'معاندین' ہیں (02-41,27)

05۔ ایسا گروہ جو (آسمانی وحی کے) حق میں (اپنی خودغرضانہ افکار و نظریات کے) باطل کو شامل کر دیتا ہے اور باقی حق کو چھپاتا ہے جانتے بوجھتے (02-42)

06۔ ایسا گروہ جو حامل کتاب (توراۃ) ہے اور دوسروں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے وفاداری کی تلقین کرتا ہے مگر خود اپنے آپ کو اس کا پابند نہیں سمجھتا (02-44)

07۔ ایسا گروہ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے ذریعے دو دفعہ دنیا میں فضیلت دی جیسی فضیلت اس وقت کی دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی۔ تاہم یہ گروہ اس فضیلت کے تقاضے بھلائے ہوئے ہے (02-47)

08۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی رحلت کے بعد برادران یوسف کے مزاج پھر بگڑ گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ظلم و تعدی کی راہ اختیار کر لی، اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اور اولاد (بنی اسرائیل) کی نسلوں کو مقامی مصری حکمرانوں (جو قبطی قوم سے تھے) کی غلامی میں دے دیا۔ یہ غلامی اور محکومی کا دور کئی صدیوں پر محیط تھا۔

09۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزہ تعلیمات کے اثرات ان کے اپنے خاندان (برادران یوسف اور ان کی اولاد و احفاد) کے علاوہ ان کی بادشاہت اور راست بازی کی وجہ سے دوسری اقوام پر بھی تھے۔ قبطی قوم کے منصف مزاج اور باضمیر لوگ صدیوں بعد تک تعلیمات یوسفی کا تذکرہ

بڑے ادب واحترام سے کرتے تھے(34,28-40)

10۔ بنی اسرائیل مجموعی طور پر آسمانی ہدایت کی اہمیت کو بھلا چکے تھے اور تعلیمات یوسفی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیتیں طاقِ نسیان پر رکھ دی تھیں۔ چنانچہ غلامی اور محکومی کے اس پرآشوب دور میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے تھے اسی دور میں فرعون اور اس کے سرداران درجہ بدرجہ اس غلام قوم سے بیگار لیتے تھے۔ کھیتوں، گھروں اور محلات میں ہر قسم کی خدمات لیتے تھے مگر رہن سہن اور سہولتیں جانوروں سے بھی بدتر تھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے حق میں عذاب کا کوڑا اور سزا تھی تاہم بنی اسرائیل اس سے بھی بیدار نہیں ہوئے اور قلیل لوگ جو فطرتاً صالح اور منصف مزاج تھے خدا پرست رہ گئے اور قوم میں بوڑھوں میں کوئی دینی اصطلاحات اور مذہبی روایات کا رواج رہ گیا ورنہ اکثریت فرعونوں کے درباری ماحول اور عیش پرستی کی زندگی کی نقالی میں لگ گئے۔

11۔ فرعون بادشاہوں کا خاندان تھا اور بادشاہ ظالمانہ جابرانہ اور قاہرانہ مزاج رکھتے تھے اس پر مستزاد تاریخ میں شاہی مزاج کی طرح ان کا مزاج عیاشی اور بدمعاشی کی طرف مائل تھا۔ سب سے بڑھ کر ان کو اپنے مرنے کے بعد آرام کی زندگی کے لئے پرتکلف رہائش گائیں اہرام بنانے کا شوق تھا۔ کسی خاص علمی ترقی کی وجہ سے وہ انسانی لاشوں کو محفوظ کرنے کا فن (حنوط) جانتے تھے ظاہراً اس عمل پر بہت اخراجات آتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے یہ فن صرف شاہی خاندان بالخصوص بادشاہوں کی نعشوں کو محفوظ کرنے (حنوط کرنے) کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہرام مصر عجائباتِ عالم میں شمار ہوتے ہیں یہ بڑے بڑے وسیع رقبوں پر محیط اونچی مخروطی عمارتیں ہوتی تھیں۔ (تاہم فرعونیوں کے زوال کے بعد یہ افریقہ کے صحرائے اعظم کے اثرات کی وجہ سے یہ ریت کے ٹیلوں میں دب گئے) دور نبویؐ اور دور خلافت میں ان کا کہیں تذکرہ نہیں یہ تو مغربی یورپی اقوام کی ترقی اور گزشتہ تباہ شدہ تہذیبوں کے کھنڈرات کو نکالنے اور دریافت کرکے ان کے اثار و مذاہب کے مطالعہ کے ذوق نے دیگر مدفون تہذیبوں کی طرح فرعونوں کے ان اہراموں کو بھی یکا یک انسانی نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ 1880ء کی کھدائیوں کے بعد یہ اہرام دریافت ہوئے اور بادشاہوں کی نعشیں بھی ملیں سب سے بڑا اہرام خوفہ کا اہرام ہے جو بڑا مقتدر فرعون

بادشاہ تھااس کا مقبرہ (اہرام)880×880 اور 450 فٹ اونچا ہے۔یعنی 16 ایکڑ رقبے پر ایک ہی عمارت ہے جو شاہی مسجد لاہور کے مینار سے تین گنا زیادہ اونچی ہے۔اس عمارت میں پتھر 10×10×10 کے لگے ہوئے ہیں یعنی عام کمرے کے سائز کا ایک ہی پتھر اور یہ پتھر کہیں دور سے (کئی سومیل کے فاصلے سے) لائے گئے تھے اوران پتھروں کو جوڑنے والے مصالحہ کے لئے ان پتھروں کے درمیان نہایت باریک تہ کی گنجائش ہے ان پتھروں کواس چابک دستی سے لگایا گیا ہے کہ ان کے JOINTS میں کئی جگہ پر کارڈ (VISITING CARD) بھی نہیں گھس سکتا۔ اس کے اندر خواب گاہیں، ہال، غلام گردشیں، خزانے وغیرہ کئی طرح کی سہولتیں ہیں۔)

ثقہ روایات اور قرآن مجید کے اشارے یہی ہیں کہ یہ اہرام فرعونوں نے بنی اسرائیل کی افرادی قوت سے ہی بنوائے تھے اوراس دوران ان پر ظلم ہوتا تھااور وہ ان پتھروں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے عمل میں دب کر مر جاتے تھے مگر ظالم فرعونی اہل کار انہیں پیاروں کو دفنانے اور نوحہ کرنے کا موقع بھی نہیں دیتے تھے۔یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا مگر یہ قوم نہ جاگی۔

بعض موقعوں پر فرعون بنی اسرائیل سے ناراض ہوئے۔کسی نے کہا اس قوم میں سے کوئی اُٹھے گا اور تمہاری سلطنت کو تباہ کردے گا۔یہ قانون قدرت ہے تاہم فرعون بادشاہ ڈرنے کی بجائے مزید سختی کرتے تھے۔کئی موقعوں پر انہوں نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنے کے احکام جاری کردیئے اور نومولا دبچوں کو مار دیا جاتا تھا جب کہ بچیوں کو گھریلو کام کاج اور بے حیائی کے لئے زندہ رہنے دیا جاتا تھا(02-49)

12۔ اسی دوران میں جبکہ بچوں کے قتل کے احکام نافذ تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور فرعون کے گھر میں پرورش کا ماحول پیدا فرمادیا۔(28-9)

13 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور بنی اسرائیل کو ایک بڑے اور اعلیٰ مقصد کے لئے حزب اللہ بننے کا موقع فراہم کردیا۔بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات، ارض مصر سے روانگی، صحرائے سینا کا قیام اور بالآخر ارض فلسطین آمد میں 300 سال لگ گئے (28۔پہلا رکوع)

14۔ فرعون کی غلامی سے نجات کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چنا گیا۔اللہ تعالیٰ انہیں تورات

عطا فرمائی اور وحی سے نوازا، طور پہاڑ پر ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور بنی اسرائیل کی آزادی اور فرعون کو دعوت بندگی رب کا فریضہ سونپا گیا۔

15۔ ایسا گروہ کہ 10 سگے بھائی ایک معصوم فرشتہ خصلت بھائی کو گھر سے غائب کرنے کے کے لئے قتل کا منصوبہ بنا ڈالتے ہیں اور اپنے ضمیر کی خلش کو مٹانے کے لئے یہ بھی طے کرتے ہیں کہ اس کے بعد 'توبہ' کر کے نیک بن جائیں گے۔ گناہ اور توبہ کا یہ تصور آج بھی کتنا 'دلفریب' اور عام ہے اس کا ہر شخص تجربہ رکھتا ہے۔

16۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس گروہ میں سے بہت کم لوگ دل سے ایمان لائے اس لئے کہ فرعون کا ڈر اور 'لبرل ازم' اور من مانی زندگی کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے اندر رہ کر زندگی گزارنا ایک ہمت طلب کام ہے۔(10-83)

17۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر میں تھے اور فرعون کو دعوت توحید اور دعوت اسلام دے رہے تھے یہ آج سے 3300 قبل کا زمانہ ہے۔ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کی منشا پا کر بنی اسرائیل کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے لئے آبادیاں بسائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو مرکزی حیثیت دی گئی سارے گھر قبلہ رُخ بنائے گئے انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا گیا تاہم بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد دل سے اس طرف آمادہ نہیں ہوئی۔(10-87)

18۔ ایسا گروہ جس کو پیغمبر علیہ السلام آزادی کے لئے تیار کر رہے تھے مگر وہ آزادی کی بجائے غلامی کی زندگی کو ہی اپنی 'آزادروی' اور عیاشی کے لئے موزوں سمجھتا تھا۔

19۔ ایسا گروہ جس کو بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر غلامی سے نجات کے لئے مصر سے مشرق کی طرف 'کوچ' کا حکم دیا۔ آگے خلیج سویز آ گئی پیچھے سے فرعون نے اپنے سرداروں اور فوج کے ساتھ تعاقب کیا۔ اس موقع پر بھی یہ گروہ حوصلہ اور ولولہ کے جذبات سے عاری تھا اور فرعونوں کا ڈر اُسے کھائے جا رہا تھا۔(28-61)

20۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو معجزانہ طور پر (سمندر نے خشک راستہ دے دیا) سمندر کے پار نکال لے گئے اور فرعون اور اس کا سارا لشکر اسی سمندر میں بنی اسرائیل کی نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا۔ وقتی طور پر تھوڑی مسرت ہوئی تاہم اس گروہ کو اس معجزہ کے بعد

بھی سچی توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔(50-02)

21۔ فرعون (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل بادشاہ) کے غرق ہونے کے بعد (جس کی نعش قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ محفوظ کی تھی اور 1902ء میں قاہرہ میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں دریافت ہوئی) ذرا سکون ہوا تو اس صحراء ـــــ صحرائے سینا میں آبادکاری کا مسئلہ درپیش رہا۔اس وقت بنی اسرائیل کا یہ گروہ مردم شماری میں چھ لاکھ کے قریب تھے۔

22۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو صحرا میں کھانے پینے کے لئے 'من وسلویٰ' عطا فرمائے۔ پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بارہ چشمے جاری کر دیے، صحراء کی گرمی...... بادل اس قوم پر سایہ کرتے رہتے تھے۔مگر یہ گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی مسلسل نافرمانی کر کے انہیں ستاتا رہا۔(61-05)

23۔ 'من وسلویٰ' جیسی غذا پر بے صبری کا شکار ہوگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دور غلامی کے کھانے (جن کی یاد انہیں ستاتی تھی اس لئے کہ بڑی کوٹھیوں اور محلات میں گھر کا بچا ہوا کھانا اس گھر کے نوکر......دھوبی، حجام، موچی، خاکروب، کی حیثیت سے یہی بنی اسرائیل کھانے کے عادی تھے) کی فرمائش کر دی کہ سبزیاں، دالیں، سلاد، پیاز یعنی طرح طرح کے پکوان ہونے چاہئیں۔ (61-2)

24۔ صحراء کی اس زندگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام مل کر قوم کی تربیت کرتے رہے اور ایمان کی آبیاری اور جذبہ جہاد پیدا کرنے میں مصروف رہے مگر اس گروہ کے دل سے کسی طرح دنیا پرستی اور دور غلامی کی 'یادیں' نہ نکل سکیں۔

25۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر سے اس صیہونی ذہنیت کے گروہ نے جانتے بوجھتے یہ مطالبہ کر دیا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک (اللہ تعالیٰ کا) بت بنا دیجیے جیسے دوسری قوموں کے بت ہوتے ہیں (معاذ اللہ) گویا بقول اقبال انسانیت میں بہت سے لوگ 'خوگر پیکر محسوس' ہونے سے آگے نہیں بڑھتے یعنی مادیت پرستی (MATERIALISM) ہی کا شکار رہتے ہیں۔

؎ خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر
پھر کوئی مانتا ان دیکھے خدا کو کیونکر؟

(138-07)

26۔ بنی اسرائیل کو جہاد پر تیار کرنے کے اس عمل کے دوران ہی ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی خاص 'ملاقات' کے لئے 30 دن کے لئے بلایا جسے بعد میں 40 دن کے قیام میں بدل دیا گیا۔ طور پہاڑ کے قریب اس قیام اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور اُس کی رضا کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت سے قبل ہی بجانب طور پر روانہ ہوگئے۔(20-83)

27۔ یہی زمانہ تھا کہ بنی اسرائیل کی فکری اور ذہنی پختگی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو......'دور غلامی' کی سوچ کے حامل، خدا بیزار اور من مانی کرنے کے لئے آسمانی ہدایت سے روگردانی کرنے کے شائقین کی......زبردست مخالفت کا سامنا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کشمکش میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے منتظر تھے۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا اور خلفشار سے بچنے کی تاکید فرمائی۔(07-142)

28۔ اس گروہ کی تربیت کے مراحل میں اس موقع پر جبکہ شیطانی عوامل کی شکست قریب تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور کی جانب جلد روانگی نے نئی صورت حال پیدا کر دی۔ جس سے شیطانی گروہ (جو آسمانی ہدایت کی حدود و قیود کا پابند نہیں بننا چاہتا تھا) کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔ سامری نامی شخص نے اپنے ساتھیوں سے سونا جمع کیا اور پگھلا کر سونے کا ایک بچھڑا بنا دیا جس کے اندر خلا سے ہوا گزرنے سے ایک خاص آواز نکلتی تھی۔ اسی طرح کا کوئی عمل وہ دور غلامی میں دیکھتے ہوں گے اور سامری نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اے بنی اسرائیل یہ ہے تمہارا رب اور معبود۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نامعلوم کہاں چلے گئے۔(20-89,87)

29۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے مقدور بھر کوشش فرمائی کہ قوم اس شرک اور بت پرستی سے دور رہے مگر بگڑے ہوئے لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا اور حق کے فیصلے کو ماننے کی بجائے مذاکراتی فیصلہ یہ مان لیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد تک اس بچھڑے کی اسی طرح پوجا کرتے ہیں واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام فیصلہ فرمائیں (صاف ظاہر ہے اس وقت تک شرک کا یہ کینسر مزید پھیل چکا ہوگا اور علاج مشکل ہوگا)(20-91)

30۔ اس گروہ کی خدا بیزار سازشوں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا جس پر

حضرت موسیٰ بہت آزردہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے 'تورات' کی الواح عطا فرمائیں۔ جس میں مشہور احکامِ عشرہ (TEN COMMANDMENTS) تھے جو تاریخ انبیاء کرام میں ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ (07-144)

31۔ طور کے اس مقدس سفر سے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکامِ عشرہ کی الواح عطا ہوئیں ایک طرف موسیٰ علیہ السلام کو بہت مسرت تھی تو دوسری طرف قوم کی گمراہی اور شرک میں مبتلا ہونے کا ایک ان دیکھا غم تھا کہ آپ اپنی قوم میں تشریف لائے۔ (07-145)

32۔ بنی اسرائیل کا یہ گروہ جو ایک خاص ذہنیت رکھتا تھا اور اسی رُخ پر ہی آگے جا رہا تھا اور پختہ تر ہو رہا تھا خدا، پیغمبر اور وحی سے بیزار تھا کہ یہ تینوں چیزیں انسان کو ایک پاکیزہ اور اخلاقی ضابطے کا پابند بناتی ہیں جبکہ ———— یہ گروہ اُس وقت بھی اسی طرح کی فکر رکھتا تھا (اور آج بھی اپنے ہم خیالوں سمیت، اللہ...... حضرت محمد ﷺ اور وحی (قرآن مجید) کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کی معین تشریح کو اپنے شیطانی عزائم کے لئے موت سمجھتا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت اسی گروہ میں شامل تھی یا زیرِ اثر تھی۔

33۔ قوم کے پاس آ کر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالات سُنے اور انہیں اس گروہ پر بڑا غُصہ آیا۔ انہیں بتایا گیا کہ پوری قوم اس شرک میں ملوث نہیں تھی بلکہ ایک گروہ تھا جو بہر حال تعداد میں بھی بڑا تھا اور غلط ہونے کے باوجود بڑا موٴثر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی سختی سے پوچھا کہ آپ نے انہیں روکا کیوں نہیں اور ان کے بقول بھی اس گروہ کی بغاوت اور دست درازی (دہشت گردی) کی وجہ سے وہ خاموش رہے کیونکہ خانہ جنگی کا خطرہ تھا۔ (20-93,94)

34۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس گمراہ کن صورت حال میں شیطانی گروہ کی کامیاب چال پر دُکھ تھا اور یہ احساس کئی لحاظ سے بہت اہم تھا۔ اولاً بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم اور خونی رشتوں میں بندھی ہوئی تھی ثانیاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اگر چہ اس میں مخلص اور باعمل لوگ کم تھے مگر تھی تو اُمت۔ اور ثالثاً ان لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابھی ابھی فرعون کی ذلت آمیز غلامی سے نجات دلائی تھی اور آزادی کی نعمت سے

بہرہ یاب کر دیا تھا اور اس کے بعد بھی من وسلویٰ، 12 چشمے جاری ہونا اور بادلوں کا سایہ ایسے معجزے تھے جو یہ قوم دیکھ چکی تھی اور حضرت موسیٰ ؑ کو خدشہ تھا کہ کہیں اس قوم پر عذاب نہ آ جائے۔

35۔ حضرت موسیٰ ؑ جب سامری کی طرف متوجہ ہوئے اس نے کئی بہانے بنا دیئے جس پر اُسے نشان عبرت اور اچھوت بنا دیا گیا جس میں وہ ساری زندگی مبتلا رہا۔ سونے کے بچھڑے کو (جسے قوم خدا اور اِلٰہ سمجھنے لگ گئی) جلا کر خاک کر دیا گیا۔(20-96,97)

36۔ تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام میں اُمت کو تربیت کے اس مرحلہ پر باطل نظریات کے وائرس (VIRUS) سے بچانا از حد ضروری ہوتا ہے تا کہ پوری جماعت میں کہیں یہ کینسر یا وائرس سرایت نہ کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مرحلہ میں حضرت موسیٰ ؑ نے شرک اور بچھڑا پرستی (گاؤ پرستی) کے اس جرم میں ملوث 70,000 بنی اسرائیلوں کو اپنے اپنے قبیلے والوں کے ہاتھوں تہ تیغ کرایا تا کہ باقی اُمت اس سے بچائی جا سکے (جیسے ڈاکٹر حضرات کینسر اور ہائی شوگر کی صورت میں متاثرہ عضو کو کاٹ کر باقی جسم بچا کر مریض کو نئی زندگی دے دیتے ہیں)۔(2-54)

37۔ باقی قوم کسی حد تک مخلصانہ طور پر حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ اگلے مراحل کے لئے تیار ہو گئی۔ کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ قوم کے ایک حصے نے اپنے پیغمبر سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے نظر آئیں ورنہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جس پر حضرت موسیٰ ؑ سخت ناراض ہوئے۔(04-153)

38۔ حضرت موسیٰ ؑ خود طور پہاڑ پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے دوران رؤیت باری تعالیٰ کا مطالبہ کر چکے تھے مگر یہ ایک طالب علمانہ معصوم مطالبہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ٹال دیا اور حضرت موسیٰ ؑ کو ایک تجربہ سے گزار کر احساس بھی دلا دیا کہ انسان اس دنیا میں باری تعالیٰ کے دیدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔(07-143)

39۔ بنی اسرائیل کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے واضح مشاہدہ کے مطالبے پر حضرت موسیٰ ؑ سخت ناراض ہوئے سمجھایا...... قوم ماننے پر آمادہ نہیں تھی بالآخر حضرت موسیٰ ؑ 70 سردار جو ان میں سرکردہ اور سمجھدار تھے ساتھ لے کر طور پہاڑ پر چلے گئے اللہ تعالیٰ سے قوم کی صورت حال

عرض کی۔ آسمان سے ایک بجلی کڑ کی چمکی اور گری جس سے سب کے سب لوگ مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ نے قوم کے سب سرداران کو زندہ کر دیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مطالبہ چھوڑ کر اس کی قدرتوں کا نظارہ کر سکیں۔ (02-55,56)

40۔ فرعون کی غلامی سے نجات کے بعد ان چند سالوں کی صحرا نوردی اور پے بہ پے مختلف تجربات سے بنی اسرائیل میں ایک موہوم سا جذبہ اور خفیف سی امنگ پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کے اس مطالبے پر من وسلویٰ کی جگہ مرغن اور متفرق کھانے چاہئیں، فرمایا کہ اب آگے ایک علاقہ ہے اس کو فتح کر لو پھر تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تمہیں پسند ہے۔ یعنی اللہ کی حکمرانی قائم کرو تم دنیا میں بادشاہت کرو گے ——— مگر افسوس کہ بنی اسرائیل کے سپوتوں نے نامردی دکھائی نہ جہاد ہوا نہ علاقہ فتح ہو سکا۔ (02-58,59)

41۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور پیغمبروں کی تعلیمات کا حاصل ایمان کی گہرائی اور پختگی کے بعد اللہ کے دین کے لئے جدوجہد (STRUGGLE) اور ضرورت پکارے تو جان دے کر بھی دین کا بول بالا کرنا ہے یعنی جہاد فی سبیل اللہ جو قوم اس جہاد سے جی چرائے وہ اللہ کی نگاہ میں خس و خاشاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور اللہ کے غضب کا نشانہ بن جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے جہاد سے باغیانہ انداز میں انکار پر اللہ تعالیٰ سخت غضب ناک ہوا۔ بنی اسرائیل کے انکار کے الفاظ (سورۃ المائدۃ میں وارد ہیں آیات 21 تا 26) یہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَ لَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰۤى اَدۡبَارِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ O

''تو بھائیو! تم ارضِ مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔''

قوم۔ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا

فَاِنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دَاخِلُوۡنَ O

''وہ کہنے لگے کہ موسیٰ (علیہ السلام) وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے۔''

حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی:

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ O

''جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو کیونکہ تم ایمان (کا دعویٰ) رکھتے ہو۔''

قوم۔ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ O

''وہ بولے کہ موسیٰ (علیہ السلام) جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضروری ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ O

''موسیٰ (علیہ السلام) نے (اللہ سے) التجا کی کہ پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔''

جہاد سے گریز اور انکار کی وجہ سے سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ O

’’اللہ نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور صحراء کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔‘‘

42 اپنے پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں اُمت کا جہاد سے انکار ایسا جرم عظیم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سزا سنا دی۔ اس دور میں بنی اسرائیل اخلاقی گراوٹ اور پستی کا شکار ہو چکے تھے اور دینی احکام پر عمل درآمد سے جی چرانا اور تاویلیں کرنا اس کا شعار بن چکا تھا۔ جہاد سے اعراض (جی چرانے) کی وجہ سے اس گروہ کو چالیس سال کی صحرا نوردی کی سزا ہوئی اس دوران وہ نسل جس نے دور غلامی دیکھا تھا یا اس کے اثرات لئے ہوئے تھی وہ دنیا سے گزر گئی۔ صحراء نوردی کے ابتدائی دور میں ایک گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ پہلے پارہ کے ساتویں رکوع میں آیا ہے کہ وقت کے پیغمبر کے احکام کا مذاق اڑانا اس قوم کے لئے معمول کی بات تھی اللہ تعالیٰ نے اس اجتماعی کیفیت پر تبصرہ فرمایا ہے کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کے باوجود گائے ذبح کرنے کو تیار نہ تھی مجبوراً زچ ہو کر ذبح کی۔ (71-02)

43 گائے ذبح کرنے کا یہ واقعہ اس قوم کے بگڑے ہوئے (PERVERTED) مزاج کی دیگ کا بس ایک چاول ہے جس سے ساری صورت حال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ گائے کے واقعہ کے بعد 'قتل' کا معمہ بھی حل ہو گیا اور معجزانہ طور پر سارے راز سامنے آ گئے تاہم اس سے بھی بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخلصانہ 'اُمتی' کا تعلق قائم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ (73-72-02)

44 اس گروہ کے مقتدر طبقہ کا حال خود اللہ تعالیٰ نے دلوں کے سخت ہو جانے کی کیفیت سے بیان فرمایا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (02-74)

’’پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور

پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں''

45 پیغمبروں علیہم السلام کی دعوت و تربیت سے نئی نسل جو صحراء کی آزادی کی فضا میں پلی بڑھی تھی' اس میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا ہوا فرعونیوں کی غلامی کے دور کی تربیت، اثرات، سوچنے کے انداز، طرز استدلال، مشغلے، اعتقادات سب کچھ بدل گیا۔ مجموعی طور پر قوم میں آزادی کی اُمنگ، اللہ کے دین کے لئے جانثاری اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

☆ صحرانوردی کے اسی دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو گیا حضرت ہارون علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے۔ بعد میں تورات کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی (جن کا ذکر قرآن پاک میں خضر علیہ السلام کے مشہور واقعہ میں آیا ہے) یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں قوم جہاد پر آمادہ ہو گئی۔

46 بنی اسرائیل کے اس گروہ کے مجموعی رویے میں جو تبدیلی آئی تھی تو اس سے پوری قوم کا مزاج نہیں بدلا تھا بلکہ یوں سمجھیں کہ اہل حق کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا اور روایتی اسرائیلی (برادران یوسف والی) ذہنیت پس پردہ چلی گئی تھی۔

47 جذبہ جہاد سے قوم اُٹھی اور مصر سمیت مشرق وسطی کے ایک وسیع رقبے پر قابض ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ''تمکن فی الارض'' کا وعدہ پورا فرمایا۔

48 اجتماعی نفسیات میں یہ بات مسلم ہے کہ عام طور پر قربانی دینے کے وقت قوم کا ایک مخلص طبقہ آگے ہوتا ہے اور مسلسل قربانیوں کے نتیجے میں کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے جبکہ اس وقت دوسرا طبقہ جو قربانی سے گریز کرتا ہے چھپا رہتا ہے سامنے نہیں آتا۔ (قرآن مجید میں اس طبقے کو منافقین کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے) جب جہاد کے نتیجے میں ملک فتح ہو جاتا ہے اور اس ملک کو چلانے کا موقع آتا ہے امن و امان کی کیفیت میں زمام اقتدار ہاتھ میں آتی نظر آتی ہے اور دوسر طبقہ ایک دم سامنے آجاتا ہے مخلص لوگ مسلسل قربانیوں اور جہاد و قتال کی جان گسل محنت سے تھکے تھکے ہوتے ہیں یہ منافق طبقہ تازہ دم آکر اکثر و بیشتر اقتدار پر قبضہ کی کوشش کرتا ہے۔ عام

نفسیات انسانی یہی ہیں اس سے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعتوں بالخصوص حضرت محمد ﷺ کی جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بچایا ہے کہ وہی لوگ جو مسلسل دس سال سے قربانیاں دے رہے تھے وہی خلافت راشدہ میں ہراوّل دستہ تھے۔ بنی اسرائیل کے اس جہاد کے نتیجے میں وسیع علاقہ ہاتھ آیا تو یہ قوم اس کا انتظام وانصرام کما حقہٗ نہ سنبھال سکی اور پیچھے رہنے والا عنصر جلد ہی حالات پر قابو یافتہ ہو گیا۔

49 یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل نے (حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسبت سے جو بارہ خاندان چلے آرہے تھے) مفتوحہ علاقہ کو چھوٹی چھوٹی بارہ سلطنتوں میں باہمی تقسیم کر لیا جو آسمانی ہدایت کے نقطہ نظر سے بہت بڑی غلطی تھی۔

50 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ دنیاوی غلبہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے دین کو نافذ کریں گے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (02-83)

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھتے زکاۃ دیتے رہنا۔ تو چند شخصوں کے سوا تم سب اس عہد سے منہ پھیر بیٹھے۔''

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (02-84)

''اور جب ہم نے عہد لیا کہ آپس میں کشت وخون نہ کرنا اور اپنوں کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو۔''

51 بنی اسرائیل کی اجتماعی آسمانی بادشاہت کے قیام کے بجائے بارہ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے فطرت انسانی کے مطابق اور قریبی رشتہ داروں (COUSINS)

کے حب تفوق (URGE TO DOMINATE) کی انسانی سرشت کے تحت ان بارہ سلطنتوں نے باہمی جنگوں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور علاقے ہتھیا لینے کے طویل سلسلہ کی بنیاد رکھ دی جس سے خلق خدا میں احکام الٰہی کے نفاذ سے امن سکون، بھائی چارہ، عدل وانصاف احترام جان ومال کے ماحول کی بجائے لوٹ کھسوٹ کا ماحول پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (02-85)

''پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کر کے انہیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلہ میں فدیہ دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا۔''

52 بنی اسرائیل کی سنگدلی (دلوں کا پتھر کی طرح سخت ہو جانا) اور باہمی خلفشار کا نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل دوبارہ مغلوب ہوگئے اور قریب کے بادشاہوں نے باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی دور میں تورات اور بعض دیگر نوادرات کا ایک مقدس صندوق (تابوت) بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا جس سے اس قوم کی محرومی، بدنصیبی اور رحمت خداوندی سے دوری کی کیفیت پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔

53 تاریخی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے خروج اور بنی اسرائیل کی احکام خداوندی کی پاداش میں مغلوبیت کا یہ دور تقریباً تین صدیوں پر محیط ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سہارا دینے کے لئے کئی پیغمبر مبعوث فرمائے (جن میں سے اہم نام توراۃ کے بیان کے مطابق سموئیل علیہ السلام ہے) جن کا اشارہ دوسرے پارہ میں (02-246) ہے۔

54 حضرت سموئیل علیہ السلام نے قوم کو جہاد کے لیے تیار کیا ایمان اور عمل صالح کی اہمیت واضح فرمائی ایمان حقیقی کو دلوں میں اُتارا، تا آنکہ قوم نے خود جہاد کی اجازت کا مطالبہ کیا تاہم قوم بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کی سزا بھگتنے کے بعد بھی اپنی پختہ تخریبی مزاج اور خدا بیزار، وحی بیزار،

رسول بیزار رویوں کے خول سے نہ نکل سکی۔ ان کی کیفیت غلامی کے دور سے زیادہ مختلف نہیں تھا بس شرارت پسند طبقہ، سامری کا پیروکار، آزادی کا دلدادہ اور لبرل ازم کا قائل طبقہ ذرا دب گیا تھا اور اہل حق نمایاں ہو گئے تھے۔

55 اس صیہونی گروہ کی سرشت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق حضرت سموئیل علیہ السلام کی درخواست پر جب اللہ تعالیٰ نے ایک سپہ سالار حضرت طالوت کو مقرر کر دیا تو قوم نے اعتراضات شروع کر دیے وہ تو مالدار نہیں اور سرداری اور حیثیت کا مالک نہیں ہے وغیرہ وغیرہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ مسکت جواب دیا ہے تو قوم خاموش ہوئی وَ اللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے حکومت یا سپہ سالاری دے دیتا ہے)۔

56۔ اس شیطانی گروہ کی اصل بیماری تو وہی جہاد سے اعراض اور فرار تھا۔ لہٰذا ________ حضرت طالوت کو قدم قدم پر اس گروہ نے پریشان کیے رکھا۔ اس کی تفصیل سورۃ بقرہ رکوع 33 میں آئی ہے۔

57۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جو بہت قلیل تھے اور مخلص و جانثار تھے فتح عطا فرما دی قوم میں حضرت داؤد (علیہ السلام) ابھر کر سامنے آگئے جنہوں نے قوم کو سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت، سمجھ اور زبور جیسی کتاب عطا فرمائی اور فرمایا رسول اسی طرح قوموں کو جنگوں کے ذریعے فتح یاب کرتے رہتے ہیں۔

58۔ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے حکومت بنائی پیغمبر بھی تھے تو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پورے علاقے کو امن وسکون سے بھر دیا مگر بنی اسرائیل' آسمانی احکام اور شریعت کی پابندیوں سے آزاد رہنے کے عادی تھے وہ بغاوت ہی کرتے رہے اور من مانی اور من چاہی یعنی آج کی اصطلاح میں لبرل ازم اور ہر جائز و ناجائز کام کرنے کی آزادی (جو امریکہ کا MOTTO ہے اور آزادی کے اسی مفہوم کی علامت امریکہ کا آزادی کا مجسمہ ہے یہ مجسمہ کھڑا کرنے والے بھی شاید دقیانوس خیالات کے حامل تھے کہ اس آزادی کے مجسمہ کو بھی لباس پہنا دیا) کے خواہاں بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام جیسے محسن سے بھی بددعائیں ہی لیتے رہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (05-78,79)

''جولوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داوٗداور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے (اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلا شبہ وہ بہت برا کرتے تھے۔''

59۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کی زبانی لعنت کئے جانے کی وجہ، ان کی مسلسل ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور اعراض عن الحق تھا۔

60۔ اس گروہ کی ایک اور شیطانی حرکت دیکھئے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اس کی سرکشی اور بغاوت کے باوجود آج یہی گروہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا متبع اور نام لینے کا دعویدار ہے چھ کونوں والا ستارہ ان کے ہاں حضرت داوٗد علیہ السلام کا ستارہ (DAVID STAR) کہلاتا ہے اور وہ پتھر جس پر حضرت داوٗد علیہ السلام نے بیٹھ کر بادشاہت کی تھی وہ DAVID STONE کہلاتا ہے اور اس شیطانی گروہ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے فرامین کے مطابق اپنی اصلاح تو نہیں کی مگر وہ پتھر تاریخ میں تین ہزار سال سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور وہ لندن کے سنٹرل کتھیڈرل میں نصب ہے جس پر برطانوی آج بھی اپنے بادشاہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ (یہ پتھر اس شیطانی گروہ کے مطابق اب اسرائیل میں لاکر نصب کیا جانا ہے جہاں ان کے مطابق بادشاہت دوبارہ قائم ہوگی اور ان کے مزعومہ حضرت مسیح آکر بادشاہت کریں گے۔)

61۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے ہی اپنی قوم کے لئے موجودہ گنبد صخرہ کے مقام پر ایک عمارت تعمیر کی تھی جو ان کا قبلہ قرار پائی۔ ان کا دور حکومت 40 سال تھا۔

62۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کے بعد ان کے ہونہار فرزند نعم العبد حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبی بھی تھے بادشاہ بنے ان کا دور حکومت بھی چالیس سال ہی تھا، ان کے بعد ایک اور بادشاہ نے 20 سال حکومت کی اس طرح آسمانی بادشاہت (یعنی احکام الٰہی کے تحت قائم یہ بادشاہت جس کی سربراہی پیغمبروں کے پاس تھی) ایک صدی قائم رہی 1000 ق م سے لے کر 900 ق م تک

(15-27)

63۔ اس صد سالہ دورِ حکومت کو بنی اسرائیل کے عروج کا دور کہا جا سکتا ہے تاہم حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی ملعون قرار پانے والی قوم کا مجموعی مزاج وہی رہا اور اس میں قطعاً کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی بلکہ خرابی کی طرف رجحان میں ہی اضافہ ہوتا رہا۔

64۔ 900 قبل مسیح سے زوال کا آغاز ہوا اور شیطانی عناصر دوبارہ نمایاں ہونے لگے اور مؤثر کردار ادا کرنے لگے تو سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ اس گروہ نے اپنے ہی درمیان سے اُٹھنے والے پیغمبروں علیہم السلام کا انکار شروع کر دیا اور اس کے جواز کے طور پر طرح طرح کی تاویلیں گھڑ کر سامنے رکھ دیں۔ بنی اسرائیل کے اس سرکش اور شیطانی گروہ کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور پیغمبروں علیہم السلام کے مسلسل انکار کا رویہ زور پکڑتا چلا گیا۔

65۔ پیغمبروں کے انکار کا دراصل سادہ ترین مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ آسمانی ہدایت اور وحی کے تحت زندگی نہیں گزارنا چاہتے تھے بلکہ آزاد منش رویہ کے مطابق LIBERALISM اور عیش پرستی کا انداز اختیار کرنا چاہتے تھے جبکہ آسمانی ہدایت، پیغمبر اور نیک لوگ اس راہ پر چلنے سے روکتے ہیں یہی نہی عن المنکر کا عمل۔ بنی اسرائیل کا یہ طبقہ اس بات پر مصر تھا کہ وہ باحیثیت ہیں انہیں کون روک ٹوک کرنے والا ہے۔ یہ اندازِ فکر مزید پروان چڑھ کر انکارِ انبیاء علیہم السلام تک پہنچ گیا۔

66۔ اس شیطانی گروہ کے رحمانی ہدایت کے برعکس طرزِ عمل اور افکار و نظریات کا نتیجہ یہ نکلا اس قوم میں دنیا پرستی (MAIERIALISM) آ گئی اور دنیاوی عیش و آرام ہی کو زندگی کا مقصد قرار دے بیٹھے اور ستم ظرفی یہ کہ آخرت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں ایک طرف دنیا کی زندگی کی محبت کی وجہ سے مرنا یعنی موت کا تذکرہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے دوسری طرف آخرت کے تصور کی وجہ سے جنت کا حصول بھی پیش نظر تھا، ایک طرف ہزار ہزار سال کی زندگی کے متمنی تھے دوسری طرف اپنے آپ کو بخشے بخشائے لوگ سمجھتے تھے کہ اللہ ہمیں آگ میں ہرگز نہیں ڈالے گا۔

67۔ اس گروہ کے سیاہ کارناموں میں انکارِ نبوت سے آگے بڑھ کر قتلِ انبیاء علیہم السلام کا جرم بھی عام ہو گیا۔ گویا آسمانی ہدایت کا کوئی نمونہ دنیا میں موجود نہ ہو، تو ابلیس یا اُس کے زیرِ اثر انسانی

گروہ کے زعم میں ان کا طرز عمل ہی واحد موجود (AVAILABLE) رول ماڈل ہوگا اور آسمانی ہدایت کے نہ ہونے سے کوئی تنقید (COMPARISON) بھی ممکن نہیں رہے گی۔

68۔ ایک طرف نبی ﷺ کے قتل سے ضمیر نے کاٹا کہ تم نے یہ کیا جرم کر دیا (تاہم اس جرم کے اپنے ذہن کے مطابق ماحول میں 'دہشت' پھیلانے اور نیکی کو دبانے کے عمل میں مفید پایا) تو ضمیر کو سلا دیا اور پھر اس جرم کا ارتکاب کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ گروہ قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم میں عادی مجرم کا سا روایتی کردار بن گیا۔ (04۔155)

69۔ قتل انبیاء علیہم السلام جیسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب سے 'اللہ کا غضب' سامنے آیا۔ تو اس قوم پر من حیث القوم ذلت و رسوائی تھوپ دی گئی اور یہ قوم جو ———— اللہ کے دین کی وارث تھی تورات کی وارث و حامل تھی ———— غیروں اور مشرکوں کی غلام بنا دی گئی اس صیہونی گروہ نے بھی غلامی قبول کر لی مگر توبہ کا راستے اختیار نہیں کیا (جیسے شیطان نے سجدہ نہ کر کے جرم کیا مگر توبہ نہ کی)

70۔ بخت نصر (NABEUCADNAZR) نمرود بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور 567 ق م میں چھ لاکھ یہودی قتل کئے اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر عراق لے آیا جہاں انہیں مختلف جگہوں پر کیمپوں میں (CONCENTRATION CAMPS) قید رکھا یہ قید 150 سال کے لگ بھگ تھی۔

(اسرائیلی 'انا' کی جھوٹی تسکین کے لئے امریکہ اور NATO نے عراق پر 2002ء کا حملہ کر دیا یہ صیہونی گروہ کی 2000 سال قبل غلامی کا بدلہ کہا جا سکتا ہے۔)

71۔ بیت المقدس کی اس تباہی کے وقت بیت المقدس کی جو اخلاقی حالت تھی وہ سوچی جا سکتی ہے آسمانی ہدایت غائب، تورات غائب، قتل انبیاء کا جرم عام۔ لہٰذا صیہونیت پسندوں نے عیاشی، بدمعاشی، بدکاری شراب نوشی کی انتہا کر دی (جیسے آج کے نیویارک، لاس اینجلس یا کسی بھی ماڈرن سرا کے قلعوں میں ہو رہا ہے) اس کا تذکرہ صیہونیوں کی تقدس کتاب بائبل میں موجود ہے اور پڑھنے کے قابل ہے نیز عریاں نگاری کی انتہا بھی ہے۔ یہ عریاں نگاری موجودہ بائبل کے آسمانی کتاب ہونے کے دعوے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

72۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ مسعود کے بعد بابل کی غلامی کے دور میں 'ہاروت اور ماروت' نامی دو فرشتوں کا آزمائشی وجود اور بنی اسرائیل کی اس میں حد درجہ دلچسپی اس گروہ کے سازشی اور کمینے کردار کی غماز ہے۔ آج بھی نقش سلیمانی کے نام پر ایسے تعویذ (نعوذ باللہ) بکتے ہیں جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے کسی صورت میں دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔(102-02) [یہ کام ایسے تھے جن میں انسانیت سوز اور اخلاق سوز حرکتیں تھیں مثلاً میاں بیوی میں لڑائی (تفرقہ) ڈال دینا اور دو بھائیوں، دو گروہوں، دو ملکوں کو لڑا دینا وغیرہ وغیرہ]۔

ان شاءاللہ دوسرا باب 'صیہونیت 600ق م سے 610ء تک' کے عرصے کے حالات پر مشتمل ہوگا

جنسی بے راہ روی

چوھدری رحمت اللہ بٹر صاحب
(ناظم شعبہ دعوت وتربیت تنظیم اسلامی)

اسلامی شریعت جس طرح کا معاشرہ بنانا چاہتی ہے اس کی بنیاد خاندان پر ہے اور خاندان کی ابتداء میاں بیوی کے پاکیزہ جنسی تعلقات سے ہوتی ہے۔ یہ تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اس سے اسی طرح کی نسل پیدا ہوگی اور اس اچھی نسل سے ہی اچھا معاشرہ وجود میں آئے گا۔ زنا ایک ایسا گندہ گھناؤنا اور قابل مذمت فعل ہے جس سے نہ صرف جنسی تعلق کی پاکیزگی اور حرمت پامال ہوتی ہے بلکہ اس سے خاندانی نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور پھر حیاء وشرم جو انسان کا سب سے قیمتی زیور ہے وہ بھی اس سے چھن جاتا ہے اور وہ نسل انسانی کو اخلاق وکردار سے بھی عاری کر کے اسے جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتی ہے۔ اسی بناء پر اسلامی شریعت نے نہ صرف زنا کو سب سے قبیح، قابل نفرت اور بدترین جرم قرار دیا ہے بلکہ اس کے ذرائع اور محرکات پر بھی پابندی عائد کر دی ہے اور اس کیلئے سخت ترین سزائیں مقرر کی ہیں۔ سورہ النحل میں عمومی انداز میں کچھ نیکیوں کا حکم دیا گیا اور ہر طرح کی بے حیائی اور ناپسندیدہ کام کی برائی ان الفاظ میں بیان کی گئی:

> ”اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم سے روکتا ہے۔“

یہاں بے حیائی سے اشارہ زنا کی طرف ہے۔ سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں کی پہچان بتاتے ہوئے یہ کہا گیا:

''جس جان کو قتل کرنا حرام ہے وہ اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا اسے گناہ ملے گا۔''

پھر سورۃ المؤمنون میں اہل ایمان کی جو صفات بیان کی گئی، اس میں زنا کی برائی سے دور رہنا بھی ان کی خاص صفت بتائی گئی کہ ''وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

ان سب کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل میں نہ صرف زنا سے روکا گیا بلکہ ان ذرائع سے بھی دور رہنے کا حکم دیا گیا جو زنا کے لئے محرک بن سکتے ہیں:

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور بدترین راستہ ہے۔''

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے فرامین درج ذیل ہیں:

☆ تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے) نہ تو گفتگو کرے گا، نہ تو انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے گا: (i) بوڑھا زانی، (ii) جھوٹا بادشاہ (iii) متکبر فقیر۔ (صحیح مسلم)

☆ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی پر بہتان باندھنا اور معروف میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا۔ (بخاری)

☆ قیامت کی علامتوں میں سے یہ علامتیں بھی ہیں کہ علم اُٹھ جائے گا اور جہل قائم ہو جائے گا اور شراب نوشی ہونے لگے گی اور اعلانیہ زنا ہونے لگے گا۔ (بخاری)

☆ اے اُمت محمد ﷺ خدا سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں۔ اسے غیرت آتی ہے کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے اور سن لو کہ جو میں جانتا ہوں اگر تم اسے جان لو تو بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ ڈرو۔ (بخاری)

☆ کوئی زانی زنا کرتے وقت حالت ایمان میں نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی شرابی شراب پیتے وقت حالتِ ایمان میں ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی چور چوری کرتے وقت حالتِ ایمان میں ہوتا ہے۔ (بخاری)

☆ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' حالانکہ وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے۔ پوچھا گیا پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد کو اس خیال سے مار ڈالنا کہ یہ ہمارے مال میں شریک ہوگی اور انہیں کھلانا پڑے گا اور اس کے بعد بڑا گناہ ہے اپنے دوست یا پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ''اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں (فرقان 68)۔(بخاری)

☆ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ جو قوم غنیمت کے مال میں چوری کرتی ہے۔ ان کے دل بودے ہو جاتے ہیں اور جس قوم میں زنا زیادہ ہو جاتا ہے ان میں اموات بھی بہت زیادہ ہو جاتی ہیں اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان کی روزی بند ہو جاتی ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرتی ہے ان میں خون زیادہ ہو جاتا ہے اور جو قوم عہد کی خلاف ورزی کرتی ہے ان پر دشمن غالب ہو جاتے ہیں۔ (موطا امام مالک)

☆ حضور ﷺ نے فرمایا: پانچ گناہ ایسے ہیں اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ تم اس میں مبتلا ہو۔ اگر کوئی قوم بے حیائی میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنے لگے تو اس قوم میں طاعون اور وہ بیماریاں پھیل جاتی ہیں جن کا نام ماضی میں نہ سنا گیا ہو۔ اگر ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو شدید قحط پڑ جاتا ہے اور جابر بادشاہ ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دے تو وہ بارانِ رحمت سے محروم کر دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو بارش بالکل نہ ہو اور جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں جو مال و دولت ان سے چھین لیتے ہیں اور اگر کسی قوم کے امام کتاب اللہ پر فیصلہ کرنا چھوڑ دیں اور احکامات میں اپنی مرضی کے احکامات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والحاکم وقال صحیح الاسناد)

زانی کی دنیا میں سزا

اُخروی انجام کے اعتبار سے تو زنا ایک قبیح فعل ہے ہی لیکن اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ دنیا میں یہ برائی نہ پھیلے اور عصمت وعفت جیسی اقدار معاشرے میں فروغ پائیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اس کی سخت سزا مقرر کی ہے۔ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''(اگر چار گواہ گواہی دیں تو غیر شادی شدہ) زانی مرد اور زانی عورت ہر ایک کے لئے سو سو کوڑے سزا ہے اور تمہارے دل میں ان کے بارے میں اللہ کے دین پر عمل کرنے میں کوئی نرمی نہیں آنی چاہیے اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ حاضر رہے (اور دیکھے)۔'' (النور)

جب کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اگر زنا کرے تو ان کے لئے شریعت میں سنگسار کرنے کی سزا ہے اور حضور ﷺ نے اس پر عمل بھی فرمایا۔ فی زمانہ چونکہ اسلامی نظام قائم نہیں ہے اس لئے بد قسمتی سے شرم و حیاء کے ضابطوں اور ان سزاؤں پر عمل درآمد نہیں ہو رہا اور اس کا انجام ہمارے سامنے ہے اور اس اعتبار سے بھی ہم اللہ کے ہاں مجرم ہیں۔

اس حوالے سے ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ

(i) خود ایسے کاموں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنے گھروں میں اسلامی طرز معاشرت کو فروغ دیں۔ ستر و حجاب کے اسلامی احکامات جو عصمت و پاکدامنی کو یقینی بناتے ہیں پر عمل کریں۔ موسیقی، رقص و سرور اور TV کے غلط استعمال سمیت وہ ساری تفریحات جو جنسی جذبات کو انگیخت کرتی ہیں سے پرہیز کریں۔ مخلوط طرز معاشرت سے اجتناب کریں۔

(ii) دوسروں تک بھی اس دعوت کو پہنچائیں تا کہ وہ بھی آخرت میں عذاب سے بچ سکیں۔

(iii) ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے جدوجہد میں عملی طور پر حصہ لیں۔ کیونکہ اسلام قائم ہونے کے بعد ہی شریعت پر مکمل طور پر عمل ہو سکتا ہے اور کوئی جماعت جو آپ کی نظر میں اس مقصد کے لئے کوشش کر رہی ہے میں شمولیت اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں جنسی بے راہ روی سے بچنے، پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کرنے اور پورے دین اسلام پر عمل کرنے اور اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

"اَلۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ"

پر اہل علم کی آراء وتبصرے

جناب رحمت اللہ بٹر صاحب
ناظم دعوت وتربیت تنظیم اسلامی

ماہ جولائی کے رسالہ میں آپ نے حدود اللہ کی طرف جس انداز سے توجہ دلائی ہے اور انسانی زندگی کے قدیم ترین اور اہم ترین گوشہ سے اس کے تعلق کو بیان فرمایا ہے وہ واقعی قابل قدر ہے۔ انسانی معاشرہ کی بنیادی اکائی خاندان ہے اور اس میں حدود اللہ کی پابندی ہی انسان کو تہذیب اسلامی کے دائرہ میں رہ کر قابل بنا سکتی ہے کہ عبدیت کا حق ادا ہو سکے۔ ان شاء اللہ یہ رہنمائی بہت سے اولوالالباب کو مزید سوچنے اور نوع انسانی کی ہدایت کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اجتماعی زندگی کے مزید معاملات میں رہنمائی کی توفیق بخشے۔ آمین

اللہ ہم سب کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب

استاد جامعہ امداد العلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر

ماہنامہ حکمت بالغہ بابت ماہ جولائی کا مطالعہ کیا، بالخصوص آپ کے مضمون ''الحافظون لحدود اللہ'' کو خوب تفصیل سے پڑھا، بلکہ مکرر پڑھا۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے مدرسی حلقے اپنے حلقے سے باہر کسی بھی شخصیت کو زیادہ گھاس نہیں ڈالتے اور اس کے کسی اچھے سے اچھے فکر کو بھی عام طور پر شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں گو اس میں ایک پہلو تصلّب فی الدین اور احتیاط کا بھی ہے

لیکن اس روئے نے عام طور پر باہمی اعتماد کو سخت نقصان پہنچایا ہے اس کی کئی مثالوں میں سے ایک مثال ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ہے اس شخص نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتعلّم قرآن کے لئے وقف کی تھی جس کی وجہ سے وہ خود بھی قرآنی افکار سے سرشار رہے اور دوسروں کو بھی سرشار کرتے رہے اس شخص کے جاندار دروس قرآنی اور تقاریر سے علوم عصریہ کے بہت سے نوجوان طلبہ متاثر ہوئے اور ان کی زندگیوں میں بہت خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوئیں، میرے نزدیک انہیں نوجوانوں میں ایک آپ بھی ہیں جو انجینئری کے نفع بخش پیشے سے مطالعات قرآنی کے حلقے میں منتقل ہوئے اور اب ماشاءاللہ قرآنی تعلیمات کو عصر حاضر کے حالات ومسائل پر انطباق کا مفید کام سرانجام دے رہے ہیں۔

خیر وبرکت کے اس واضح نتیجے کی برآمدگی کے باوجود اہل مدارس نے ڈاکٹر صاحب کی بھی اس درجے پذیرائی نہیں کی جو ان کا حق تھا مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو علماء سے قربت اور تبادلہ ٔخیالات کا کتنا شوق تھا اور ان کی رہنمائی سے اپنے افکار وخیالات میں ردّ و بدل کا کتنا عزم صادق تھا لیکن اس کے باوجود حلقہ مدارس کے بڑے بڑے علماء نے ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کی بجائے اس کو مسلسل نظرانداز کیا گو ان کی وفات کے بعد اب بعض علماء کو اس کا احساس ہوگیا ہے لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت''۔

آپ نے اپنے شوق، محنت اور قرآن میں غور وفکر سے الحمدللہ قرآن سے ایک مناسبت پیدا کرلی ہے جو کہ آپ کے مضامین سے جھلکتی ہے، کم سے کم میں اس کی بدل وجان قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی کو قبول فرمائے اور ملت اسلامیہ کے لئے بہت نافع بنائے۔ یہ بالکل ضروری نہیں کہ آپ کے ہر استخراج سے مکمل اتفاق کرلیا جائے، بڑے بڑے اساطین علم کے ساتھ بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی قرآن کو فتنہ بازی کا وسیلہ بنائے لیکن ایسے لوگ بہت جلدی ظاہر ہوجاتے ہیں۔ آپ کے خلوص، قرآن کے ساتھ لگاؤ اور اس پر سوچتے رہنے کے مبارک مشغلے سے امید ہے کہ آپ تعلیمات قرآنی کی نشر واشاعت کا اچھا ذریعہ بنیں گے۔ الحافظون لحدود اللہ کے موضوع کو آپ نے بہت مفید انداز میں پھیلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

جناب ڈاکٹر غلام مرتضٰی صاحب

نائب ناظم اعلیٰ زون شرقی پاکستان

جولائی 2010ء میں 'الحفظون لحدود الله' تحریر کا مطالعہ بہت مفید رہا۔ اس کو مکرر پڑھا اور ہر بار تحسین کے جذبات دل میں آئے۔ حدود اللہ کے الفاظ قرآن مجید میں جہاں بھی آئے ہیں وہ اسی سطح پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہیں جن کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے۔ نظام خلافت کے داعیوں اور تحریکی کارکنوں کو اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں ان کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور اپنے دائرہ اختیار میں خصوصی طور پر ان کی حفاظت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ہر کارکن کو سب سے پہلے اپنے گھر اور اپنے خاندان کے اندر نمونہ بن کر دکھانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ دین کے اس گوشے کی طرف توجہ دلانے پر آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جناب اعجاز لطیف صاحب

کراچی

جھنگ کے ریگ زاروں سے حکمت قرآنی کی سپر توڑ ہواؤں کے جھونکے ماہنامہ حکمت بالغہ کے ذریعے باقاعدگی سے موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ آپ کی اور آپ کے جملہ رفقائے کار کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

ماہ جولائی کے شمارے کے ویسے تو سارے ہی مضامین ماشاءاللہ ایک سے بڑھ کر ایک ہیں مگر "الحفظون لحدود الله" اور "قرآن حکیم کی معجزانہ ترتیب" نے خصوصی طور پر متأثر کیا۔ "حدود اللہ" کا عمومی تصور عوام الناس ہی نہیں خواص میں بھی اجتماعی زندگی سے متعلق ہی ہے۔ انفرادی زندگی میں حدود اللہ کے حوالے سے قرآن مجید میں 12 مرتبہ ازواجی زندگی سے متعلق تاکید اور تکرار یقیناً نظام خلافت کے علمبرداروں کے لئے بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔

ذاتی زندگیوں میں حدود اللہ کی خلاف ورزی سے اجتناب کے لئے اہم باتوں کا ترتیب وار اندراج بہت ہی مفید اور چشم کشا ہے۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ذاتی زندگیوں میں ان حدود اللہ کی

حفاظت کرنے والے فِدائیں ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں انقلاب اسلامی کے سچے کارکن شمار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام اہل ایمان کو سب سے پہلے انفرادی زندگیوں میں ''حدوداللہ'' کے حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اجتماعی زندگی میں ''حدوداللہ'' کے قیام اوران کی حفاظت کے لئے سورۃ توبہ کی آیات 110، 111 کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

قدرت کی طرف سے فراہم کردہ ڈرون حملے بند کرانے کا
ایک قیمتی موقع جو ہم نے ضائع کر دیا......

پاکستان میں حالیہ قیامت نما سیلاب کی تباہ کاریاں ابھی جاری ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ دو کروڑ افراد اس سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں، نقصانات کا اندازہ ابھی تیار کیا جا رہا ہے۔ اہل علم و دانش حضرات میں یہ تاثر بھی عام ہے کہ یہ سیلاب چند برس قبل کے سونامی سمندری طوفان سے کہیں زیادہ بڑی تباہی کا سبب بنا ہے۔ انسانی جانوں اور املاک کا نقصان سونامی سے کئی گنا زیادہ ہے۔۔۔ سیلاب ایک قدرتی آفت ہے مگر قدرتی آفات کا رُخ انسان بعض اوقات اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے دوسری طرف موڑ دیتا ہے۔ اس سیلاب کے روپ میں قدرت نے ہمیں ایک سنہری موقع دیا تھا کہ ملک میں چار پانچ سال سے جاری ڈرون حملوں کا منحوس سلسلہ بند ہو جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب ڈرون حملوں کا منحوس سلسلہ چند سال قبل شروع ہوا تھا تو پہلے تو ہماری حکومت نے اس بات کا انکار کر دیا کہ یہ حملے پاکستان کے کسی مقام/ائیر پورٹ سے ہو رہے ہیں تاہم بعد میں مغربی میڈیا نے تصویریں جاری کر دیں کہ پاکستان کے شہباز ائیر بیس کے ہوائی اڈے پر درجنوں ڈرون طیارے چوکس کھڑے ہیں اور اسی ہوائی اڈے سے ہی یہ کاروائیاں ہو رہی ہیں جس کی ہماری حکومت نے تردید نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کر لی۔ حالیہ سیلاب میں ایک مہیب سیلابی ریلے کا رُخ جیکب آباد کی طرف تھا اور جس سے جیکب آباد شہر اور آس پاس کے علاقوں میں چھ چھ فٹ پانی کھڑا ہو گیا، لاکھوں لوگ بے گھر ہو گئے، املاک کا نقصان ہوا مگر جیکب آباد ائیر پورٹ کو سرکاری مشنری نے خصوصی توجہ دے کر بچا لیا جس سے سیلابی تباہی کا رُخ ڈرون حملوں کی طرح اپنے ہی بے گناہ لوگوں کو تباہ کرنے کی طرف موڑ دیا گیا۔ مرکزی حکومت کے چوٹی کے لوگ اس کاروائی میں پیش پیش تھے جس سے ان حضرات کی امریکہ سے وفاداری کا تو ثبوت مل گیا مگر ملک میں اگلے کئی سالوں تک ڈرون طیاروں کے حملوں کو روکنے کے امکانات ختم ہو گئے تھے اب یہ امکان نہ معلوم کب پیدا ہوگا۔ اس طرح بحیثیت قوم ہم نے ناگہانی مصیبت کے پردے میں ایک قومی ''سعادت'' کا موقع گنوا دیا۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے　　کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

(ایک قاری)

A Recipe to Kill the Judiciary

Mohammad Faheem

Timergara Dir (lower)

The sufferings of the common man are so grave that the future seems quite bleak. Every one is facing the consequences of the follies committed at the national level at the hands of the ruling class both present and the previous ones. High prices of daily commodities, lack of peace and security, absence of merit, bribery, looting at the hands of those in power, bribery and so many other menaces have aggravated the life to a miserable extent. The rulers have no guts to adopt an independent foreign policy and free the nation from the subservience of the foreign powers. The problems of ethnicity, linguistic issues, provincialism and conspiracies against the coherence and ideology of the country are rampant. The only hope the nation could have was a free and independent judiciary that had been in place after a toiling struggle of the legal

fraternity, the civil society and the intellectuals of the country. Now, it seems that the rulers in Islamabad cannot see a judiciary that is capable of keeping a vigilant watch on the malpractices and misdoings of those at the helm of the affairs. They have been trying to block every legal process which may force the looters to bring back the looted wealth of the nation. The so-called fortunate class of the nation, who has been ruling this country as a class since its inception, has been always reluctant to put even the looted wealth in the country's banks. Instead they want to have their deposits outsides the country. We have been made slaves to the World Bank and the IMF and our national income is being spent on the servicing of the debts and the interest thereof. The nation has been subjected to the worst subservience of the United States and our rulers are dancing to every tune of their masters in the White House.

They have now come down to inflict a blow on the judiciary with the promulgation of the article 175-A under the 18th amendment, which will prove a recipe for killing the judicial system which has been resuscitated after great sacrifices. It seems that both the treasury and the opposition benches with few exceptions, are hell bent upon doing away with the fundamentals of the constitution that have been its

backbone and a trust of the founder fathers of the nation.

The fatal consequences of the said article have been arguably elucidated by the learned renowned lawyer Akram sheikh in the Supreme Court of Pakistan. He has pleaded against the underlying intent and purposes of the proposed article with article 177 and article 193 that will render the judiciary just a tool in the hands of the executive and the legislature. The nation is well aware of the credibility and the honesty standard of the so-called democratically elected members as seen in the light of the current fake degrees imbroglio and other misdoings. We know that the constituent assembly had laid down the guiding principles and the basics of the constitution before giving it the final shape. These basic fundamentals and the guiding principles were fully embodied in the Objective Resolution which was presented by the then PM. Shaheed-E-Millat Khan Liyaqat Ali Khan in the constituent assembly on March7, 1949. After deliberate discussion it was unanimously passed on March 12, 1949 . This Objective Resolution has been the integral part of all the constitutions of 1956, 1962, the interim constitution of 1972 and the historical constitution of 1973. No one dared, despite the whole mess of the country's history, to interfere with the guiding principles of the law of

the country injuring the spirit of the constitution. This is particularly true in the case of the appointment of the higher Judiciary, wherein not a single point has been changed so far even during the worst dictatorial regimes.

The learned advocate has raised very serious questions before the apex court challenging the validity of Article 175-A, and articles 177 and 193 with undeniable arguments that such amendment will be tantamount to the dismemberment of the dreams of the founder fathers of Pakistan . It goes without saying that the hierarchy in Islamabad has been planning to ruin the judiciary for getting their ulterior ends. They want to see the edifice of the judiciary crumble down which has proved to be a big hindrance in the way of the corruption and national looting.

A question can be asked from the so-called elected members and the ruling clique whether they had apprised their voters, during the election campaigns, that they will go for making basic changes of this sort in the constitution, which would be detrimental to the existence of a just judicial system? Or have they any thing of the kind in the manifestos of their parties on the basis of which they want to effect such changes that will render the judiciary a club of their own, where they will be able to bring their blue eyed and Jiyalas at their own free choice.

Kindly have mercy on this unfortunate, troubled and exploited nation. We earnestly request the hierarchy not to play foul with the only institution left as a hope of the common man. Judiciary is the only place where the misery-stricken citizenry can revert for the healing of their wounds and amelioration of their horrors. We wish like Akram Shiekh and other patriotic citizens that Pakistan should have a free and independent judicial system, wherefrom justice can be achieved without the interference of the self-seeking politicians. We wish and pray Allah to have a judiciary that can give the week such strength, whereby he can seize the stronger by the collar. We wish to have a judiciary that can bring back the national looted wealth and bring the culprits to accountability forums. We should hope that the nation will triumph and the exploiters will face their fateful end. The current rulers are very vocal of democracy and it is agreed by all that democracy cannot survive in the absence of a free, independent and fearless judiciary. Therefore, all the country loving parliamentarians have the obligation not to seek their own hegemonic desires but rather search for ways and means that can strengthen the rule of law and democracy. It should be the criterion of their love for the democratic norms and love for the homeland.

تبصرۂ کتب

تذکارِ پروفیسرعبدالجبارشاکر رحمہ اللہ

اشاعت خصوصی: پندرہ روزہ المنبر فیصل آباد

محمد انور سعید

پروفیسرعبدالجبارشاکرؒ (1974ء۔2009ء) کی شخصیت علمی حلقہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔آپ اس قافلہ کے راہی تھے جوفی زمانہ ناپید ہورہا ہے۔جس میں حکیم عبدالرحیم اشرف،سید محمد داؤدغزنوی،سیدعطاءاللہ شاہ بخاریؒ،مفتی محمدحسن،مفتی محمدشفیع جیسی متوازن شخصیات شامل ہیں۔آپ کی شخصیت کے حسین گوشوں پرمشتمل مضامین ایک نابغہ روزگارشخصیت،سحرطرازخطیب،مقبول خداوخلق،مردِ کتاب آشنا،درویش منش راہنما،علمی وجاہت کا پیکراورنفس مطمئنہ کے صحیح مصداق نظرآتے ہیں۔

اس خصوصی اشاعت میں حافظ فضل الرحیم،عبدالرشیدعراقی،حکیم محموداحمدظفر،محمداسحاق بھٹی، مصطفیٰ صادق، حافظ صلاح الدین یوسف، سیدعزیرالرحمٰن، محمدعزیزشمس، مولانا مجاہدالحسینی، حکیم محمود سروسہار نپوری جیسے دانشورحضرات نے آپ کی شخصیت پراس طرح روشنی ڈالی ہے۔جس سے ایک قاری، پروفیسرعبدالجبارشاکرؒ کواپنا آئیڈیل محسوس کرتا ہے۔آپ ماہرتعلیم،سیرت نگار، ماہراقبالیات اور دینی علوم پردسترس رکھتے تھے۔آپ ایک طرف اہلحدیث اور دوسری طرف نقشبندی سلسلہ میں بیعت بھی تھے۔لاہور میں قائم بیت الحکمت آپ کا علمی اثاثہ ہے۔اپنی اولاد کے نام حجازی، ایوبی، رومی، افغانی، رازی اور فارابی رکھے جوآپ کے سلف صالحین سے محبت کا ثبوت ہے۔''تذکرہ پروفیسرعبدالجبارشاکرؒ'' کے آخرمیں آپ کی تینوں نمائندہ تحریریں پڑھنے کے قابل ہیں۔آپ کے اقوال نسل نو کے لئے خاص پیغام کے حامل ہیں۔

''تذکرہ پروفیسرعبدالجبارشاکرؒ'' 368 صفحات پرمشتمل ایک سوانح ہے۔جس کی قیمت صرف-/150 ہے۔ڈاکٹرزاہداشرف کی ادارت میں حکیم منصورالعزیزاورمجاہدمنصوری کی معاونت سے منصۂ شہود پرآنے والا یہ تذکرہ متوازن دینی فکر کے حامل لوگوں تک پہنچنا ضروری ہے۔

پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوری فلاحی مملکت بنانے کے لئے

کتاب نویسی کا مقابلہ

عدم دلچسپی کا شکار

2010ء کے یومِ آزادی کے حوالے سے ماہِ اگست میں ہم نے وکلاء برادری کے مابین موجودہ پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کے کام کے لئے درپیش مشکلات وموانع کی نشاندہی اور اس کے علاج کے طور پر ممکنہ قابل عمل تدابیر سامنے لانے کے لئے

کتاب نویسی کا مقابلہ

منعقد کرانے کا فیصلہ کیا تھا جس میں گراں قدر انعامات کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ اس منصوبے کا آغاز جنوری 2010ء میں ہوا، اس کے لئے پوسٹر، بروشرز وغیرہ ممکنہ حد تک اپنے وسائل کے مطابق ملک بھر میں وکلاء برادری تک پہنچانے کی کوشش کی گئی، ذاتی رابطے اور کئی جگہ مطالبہ آنے پر بار سے خطاب بھی ہوا۔ تاہم قواعد وضوابط کے مطابق 31 جولائی تک صرف چھ حضرات نے یہ قواعد وضوابط طلب فرمائے۔ ان قواعد وضوابط کے مطابق چونکہ مقابلے کا انعقاد دس حضرات کے معقول مسودات کی وصولی کی صورت میں ہونا تھا۔ اندریں حالات یہ کتاب نویسی کا مقابلہ وکلاء برادری کی عدم دلچسپی کی وجہ سے ختم کیا جارہا ہے۔ یہ اطلاع نامہ افادۂ عام کے لئے قارئین حکمت بالغہ کے سامنے رکھا جارہا ہے۔

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

پاکستان کے حالات کے دو رخ

ایک طرف پیغمبر اسلام ﷺ کے توہین آمیز خاکے اور 9/11 کی برسی پر قرآن جلانے (نعوذ باللہ) کا اعلان ہے۔ اس پر مزید ڈرون طیاروں سے حملوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کا نقطہ اختتام کسی کو نہیں معلوم۔ جس سے ہزاروں بے گناہ مسلمان شہادت پا چکے ہیں اور لاکھوں بیوگان، یتامیٰ معذور و زخمی ہیں۔

دوسری طرف ہمارا ملک ماہِ رمضان المبارک میں بھی خدا ترسی اور خدا خوفی کی بجائے لوٹ کھسوٹ، چوریاں ڈاکے، عریانی فحاشی میں مبالغہ کا نقشہ پیش کر رہا ہے اور سیلاب کی صورت میں خدائی غضب کے کوڑے (عذاب ادنیٰ) کے باوجود قوم مرکز رصوبوں کے کھچاؤ، باہمی عدم اعتماد، غیر ملکی امداد تک کو ذاتی تجوریوں میں پہنچانے کی فکر میں غرق ہونے کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

اگر اب بھی نہ جاگے تو............

ایک بے رحم اور بے لاگ کوڑا ہماری پیٹھ پر برس پڑنے کے لئے اُٹھ چکا ہے، حق کی آوازیں دبتی جارہی ہیں، اہلِ حق توبہ اور ذاتی اصلاح کے ساتھ اتحادِ امت کا سبق یاد دلا رہے ہیں۔ مگر قوم ہے کہ بالعموم امراء مال مست اور عوام کا ایک بڑا حصہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا شکار ہو کر بھی اللہ سے دور ہے۔ ہماری اس ناگفتہ بہ حالت کی بڑی وجہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کی لعنتوں کی وجہ سے دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ ہمارا معاشرہ کسی بڑی اور خوفناک (DRASTIC) تبدیلی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ان حالات میں ہر دردمند مسلمان کو خود توبہ و استغفار کے ساتھ دوسروں کو بھی توبہ و استغفار پر آمادہ کرنا چاہیے تاکہ آنے والی تبدیلی مثبت، امت مسلمہ کی بہتری، قیام پاکستان کے مقاصد کی جانب پیش رفت کی حامل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(انجینئر مختار فاروقی)